فہرست

اس شمارے میں

اس شمارے میں — نعیم احمد — ۴

قرآنیات

البیان: الرعد ۱۳: ۲۷-۴۳ (۴) — جاوید احمد غامدی — ۵

معارف نبوی

فضائل رمضان — محمد رفیع مفتی — ۱۳

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی — معز امجد/شاہد رضا — ۱۶

دین و دانش

روزہ اور برکات روزہ — امین احسن اصلاحی — ۲۴

روزہ — جاوید احمد غامدی — ۳۳

روزہ اور تزکیۂ نفس — شاہد رضا — ۳۶

مقامات

اسلام اور قومیت — جاوید احمد غامدی — ۳۸

سیر و سوانح

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (۲) — محمد وسیم اختر مفتی — ۴۱

ادبیات

غزل — جاوید احمد غامدی — ۴۹

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

نعیم احمد

''قرآنیات'' میں حسب سابق جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شامل اشاعت ہے۔ یہ قسط سورۂ رعد (۱۳) کی آخری آیات ۲۷-۴۳ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ان میں بتایا گیا ہے کہ ایمان و ہدایت کی طرف جن نشانیوں سے ان مخالفین کی رہنمائی کی جا رہی ہے، اپنے فرضی معبودوں پر اعتقاد کے سبب سے یہ ان کا انکار کر رہے ہیں۔ یہ آپ کو رسول نہیں مانتے تو کہہ دو کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ اور کتاب کا علم رکھنے والوں کی گواہی کافی ہے۔

''معارف نبوی'' کے تحت محمد رفیع مفتی صاحب نے اپنے مضمون ''فضائل رمضان'' میں روزوں کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔اسی کے تحت معز امجد صاحب کے مضمون میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی اور امت مسلمہ کی طرف سے قربانی کرنے کا ذکر ہے۔اس پر ترجمہ وتدوین کا کام شاہد رضا صاحب نے کیا ہے۔

''دین ودانش'' میں امام امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون ''روزہ اور برکات روزہ'' میں اس اہم عبادت کی برکت، اہمیت اور فضیلت کو واضح کیا ہے۔اسی کے تحت دوسرے مضمون ''روزہ'' میں جاوید احمد غامدی صاحب نے روزہ، اس کی تاریخ، مقصد اور قانون کو بیان کیا ہے۔اسی کے تحت تیسرے مضمون ''روزہ اور تزکیۂ نفس'' میں شاہد رضا صاحب نے ان عوامل کا ذکر کیا ہے جو روزہ جیسی اہم عبادت میں تزکیۂ نفس کے لیے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

''مقامات'' میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا مضمون ''اسلام اور قومیت'' شائع کیا گیا ہے۔ یہ مضمون ''اسلام اور ریاست ـــــ ایک جوابی بیانیہ'' پر تنقیدات کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

''سیر وسوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب نے اپنے مضمون ''حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ'' کے دوسرے حصے میں ان کی غزوات میں شرکت اور ان کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔

''ادبیات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الرعد

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ
وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ
اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ

یہ منکرین کہتے ہیں کہ اِس کے پروردگار کی طرف سے اِس شخص پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ اِن سے کہہ دو، اللہ جس کو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق[۱۵۹] اِسی طرح) گمراہ کر دیتا ہے اور اپنا راستہ اُنھی کو دکھاتا ہے جو اُس کی طرف متوجہ ہوں[۱۶۰]، جو ایمان لائے اور جن کے دل اللہ کی اِس یاددہانی سے مطمئن ہوتے ہیں۔ سنو، اللہ کی اِس یاددہانی ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے[۱۶۱]۔ جو

۱۵۹؎ یعنی اپنے اِس قانون کے مطابق کہ جو لوگ انفس و آفاق کی نشانیوں سے آنکھیں بند کر کے قبول حق کے لیے معجزوں اور کرشموں کا مطالبہ کریں، وہ اِسی کے مستحق ہیں کہ گمراہ کر دیے جائیں۔

۱۶۰؎ ہدایت پانے کے لیے یہ لازمی شرط ہے۔ آدمی اگر ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہو جائے تو اِس نعمت سے لازماً بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔

۱۶۱؎ یعنی معجزوں اور کرشموں سے نہیں، بلکہ قرآن سے جب وہ اللہ تعالیٰ کی صفات، اُس کے سنن اور اُس کی

مَاٰبِ ﴿۲۹﴾

كَذٰلِكَ اَرۡسَلۡنٰكَ فِيۡۤ اُمَّةٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتۡلُوَاۡ عَلَيۡهِمُ الَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ
اِلَيۡكَ وَهُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ بِالرَّحۡمٰنِ قُلۡ هُوَ رَبِّيۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ
مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ
الۡمَوۡتٰى بَلۡ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِيۡعًا اَفَلَمۡ يَايۡـَٔسِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى
النَّاسَ جَمِيۡعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا تُصِيۡبُهُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِيۡبًا

ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے عمل کیے، اُن کے لیے خوش خبری ہے اور اچھا ٹھکانا ہے۔ ۲۷-۲۹

(اے پیغمبر)، ہم نے اِسی طرح (ایسی کسی نشانی کے بغیر ہی) تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ایک ایسی قوم میں جس سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں، اِس لیے کہ تم اُنھیں وہ پیغام سنا دو جو ہم نے تم پر وحی کیا ہے، ہر چند وہ خداے رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں۔[۱۶۲] اِن سے کہو کہ وہی میرا پروردگار ہے، اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، میں نے اُسی پر بھروسا کیا ہے اور (جانتا ہوں کہ ایک دن) اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا قرآن بھی ہوتا جس سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین ٹکڑے ہو جاتی یا اُس سے مردے بولنے لگتے، (تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔[۱۶۳] اِس لیے یہ تمھارا کام نہیں ہے کہ اِنھیں نشانیاں دکھاؤ)، بلکہ تمام اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کیا ایمان والے (یہ جان کر بھی اِن سے) مایوس نہیں ہوئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟[۱۶۴] (تم دیکھتے رہو)، اِن

معرفت کے دلائل و حجج سے حق کو پوری طرح مبرہن کر دیتا ہے۔ تاہم اِس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی حق کو مجرد حق کی حیثیت سے پہچاننے کے لیے تیار ہو جائے۔

۱۶۲؎ یعنی اُس کی بندگی سے گریزاں ہیں اور اُس کے صفات و حقوق میں دوسروں کو اُس کا شریک بنا رہے ہیں۔ قرآن نے جگہ جگہ اِس رویے کو خدا کے انکار سے تعبیر کیا ہے۔

۱۶۳؎ یہ جواب شرط ہے جو اصل میں محذوف ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مِّنۡ دَارِهِمۡ حَتّٰى يَاۡتِىَ وَعۡدُ اللّٰهِ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ‏﴿۳۱﴾‏ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ
بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَاَمۡلَيۡتُ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ فَكَيۡفَ كَانَ عِقَابِ ‏﴿۳۲﴾‏
اَفَمَنۡ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفۡسٍ ۢ بِمَا كَسَبَتۡ‌ ۚ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلۡ سَمُّوۡهُمۡ

منکروں پر برابر کوئی نہ کوئی آفت اِن کے اعمال کی پاداش میں آتی رہے گی یا اِن کی بستی کے قریب کہیں نازل ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آن پورا ہو[165]۔ یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔ تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو میں نے انکار کرنے والوں کو ڈھیل دی، پھر میں نے اُن کو پکڑا تو (دیکھو کہ) کیسی تھی میری سزا! ۳۰-۳۲

پھر کیا وہ جو ایک ایک شخص کے عمل کی خبر رکھنے والا ہے (اور جو کسی بات پر قدرت نہیں رکھتے، یکساں ہیں[166]) اور اِنھوں نے (اِسی بنا پر) اللہ کے شریک بنا لیے ہیں؟ اِن سے کہو، اُن کے نام تو بتاؤ،

۱۶۴؎ یعنی اِن لوگوں کی طرف سے مایوس نہیں ہوئے، بلکہ ابھی تک امید لگائے بیٹھے ہیں کہ اِن کے مطالبات پورے کر دیے جائیں تو یہ ایمان لے آئیں گے، جبکہ اُن پر واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر اِس طرح کا ایمان مطلوب ہوتا تو اِس کے لیے معجزے اور کرشمے دکھانے کے تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام تو اِس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ آن کی آن میں سب کو اپنی قدرت سے مومن بنا دیتا۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا، اِس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ لوگ عقل و بصیرت سے کام لیں اور اپنے اختیار و ارادہ کی آزادی کے ساتھ پورے شعور سے ایمان لائیں۔ یہی امتحان ہے جس میں انسانوں کو مبتلا کیا گیا ہے۔

۱۶۵؎ مطلب یہ ہے کہ اِن کی طلب کے مطابق معجزے اور کرشمے تو نہیں، مگر تنبیہات نازل ہوتی رہتی ہیں اور اِن کے کرتوتوں کی پاداش میں خود اِن پر یا اِن کے قرب و جوار کے لوگوں پر اِسی طرح نازل ہوتی رہیں گی تاکہ یہ بیدار ہوں اور پیغمبر کی دعوت پر غور کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اب یہ اِن پر ہے کہ اِنھی تنبیہات سے متنبہ ہو جائیں یا انتظار کرتے رہیں، یہاں تک کہ وہ آخری عذاب آ جائے جس کی وعید اِنھیں سنائی جا رہی ہے۔

۱۶۶؎ جملے کا یہ حصہ اصل میں محذوف ہے۔ اِس سے متکلم کی نفرت و کراہت کا اظہار ہو رہا ہے۔ گویا اِس طرح کی بات کا ذکر بھی اُسے گوارا نہیں ہے۔

اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ
وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾
وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ

کیا تم خدا کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جس سے وہ (خود اپنی) زمین میں بے خبر ہے یا پھر اوپری باتیں کر رہے ہو؟[۱۶۷] (نہیں)، بلکہ اِن منکروں کے لیے اِن کا فریب[۱۶۸] خوشنما بنا دیا گیا ہے اور یہ راہ حق سے روک دیے گئے ہیں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) جنھیں اللہ (اپنے قانون کے مطابق) گمراہی میں ڈال دے، اُنھیں کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے۔ اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو اِس سے کہیں سخت ہے اور اُنھیں کوئی اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا۔ ۳۳-۳۴

(اِس کے برخلاف) اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، اُس کی تصویر یہ ہے کہ اُس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اُس کے پھل دائمی اور اُس کا سایہ لازوال ہوگا۔[۱۶۹] یہ اُن لوگوں کا انجام ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں اور منکروں کا انجام یہ ہے کہ اُن کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔ ۳۵

ہم نے جن کو کتاب عطا فرمائی ہے،[۱۷۰] وہ اُس چیز سے خوش ہیں جو تم پر نازل کی گئی ہے اور (تمھارے

۱۶۷؎ یعنی بغیر سوچے سمجھے جو منہ میں آئے، کہہ رہے ہو۔ اِس جملے میں جو غصہ اور تحقیر چھپی ہوئی ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

۱۶۸؎ شرک کے لیے یہ لفظ اِس لیے استعمال کیا ہے کہ اِس سے مذہبی پیشوا اپنے آپ کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے لوگوں کو بھی دھوکے میں مبتلا کیے رکھتے ہیں۔

۱۶۹؎ اصل الفاظ ہیں: 'اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا'۔ اِن میں 'ظِلُّهَا' کی خبر وضاحت قرینہ کی بنا پر حذف کر دی گئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بَعۡضَهٗ قُلۡ اِنَّمَآ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشۡرِكَ بِهٖ اِلَيۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَيۡهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾
وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ حُكۡمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ
مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

منکرین کے) گروہوں میں ایسے بھی ہیں جو اُس کی بعض چیزوں کو نہیں مانتے[۱۷۱]۔ تم اُن کو صاف کہہ دو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ خدا ہی کی بندگی کروں اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھیراؤں۔ میں اُسی کی طرف بلاتا ہوں اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ ہم نے یہ کتاب اِسی لیے[۱۷۲] ایک فرمان کی حیثیت سے[۱۷۳] عربی میں اتاری ہے۔ اب اگر تم اُس علم کے بعد[۱۷۴] جو تمھارے پاس آ چکا ہے، اُن کی خواہشوں[۱۷۵] کی پیروی کرو گے تو اللہ کے مقابل میں نہ تمھارا کوئی مددگار ہو گا نہ بچانے والا[۱۷۶]۔ ۳۶-۳۷

۱۷۰؎ یہ صالحین اہل کتاب کا ذکر ہے، اِس لیے 'اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ' کے بجاے 'اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ' کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ یہی لوگ تھے جنھوں نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ قرآن کا خیر مقدم کیا۔

۱۷۱؎ آگے کے مضمون سے واضح ہے کہ اِن بعض چیزوں میں سب سے نمایاں قرآن کی دعوت توحید تھی جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین میں سے بعض گروہ کسی حال میں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

۱۷۲؎ اصل میں لفظ 'كَذٰلِكَ' ہے۔ یہ عربی زبان میں اُس معنی کے لیے بھی آتا ہے جسے ہم 'چنانچہ' یا 'اِسی لیے' جیسے الفاظ سے ادا کرتے ہیں۔

۱۷۳؎ یعنی ایک فرمان واجب الاذعان کی حیثیت سے جسے جھٹلایا گیا تو خدا کی عدالت اِسی زمین پر اپنا فیصلہ سنا دے گی۔

۱۷۴؎ یعنی وہ علم قطعی جس میں کسی ریب وگمان کی گنجایش نہیں ہے۔

۱۷۵؎ اصل میں لفظ 'اَهۡوَآء' آیا ہے۔ اِس سے یہاں اِن گروہوں کی بدعتیں مراد ہیں، اِس لیے کہ اِن کی بنیاد علم پر نہیں، بلکہ خواہشوں ہی پر ہوتی ہے۔

۱۷۶؎ یہاں بھی خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، مگر روے سخن منکرین ہی کی طرف ہے۔ استاذ امام کے الفاظ میں، اِس میں یہ بلاغت ہے کہ سننے والے اچھی طرح متنبہ ہو جائیں کہ اِس حکم کی خلاف ورزی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ
اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ
وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾
وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا

(اِنھیں اعتراض ہے کہ تم کوئی نشانی کیوں نہیں دکھاتے اور دنیوی علائق کیوں رکھتے ہو)؟ ہم نے، (اے پیغمبر)، تم سے پہلے بھی رسول بھیجے اور (چونکہ انسان ہی تھے، اِس لیے) اُن کو بیویاں بھی دیں اور اولاد بھی۔ اور کسی رسول کے اختیار میں نہیں تھا کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی نشانی لا دکھائے۔ (ہر چیز کے لیے ایک وقت ہے اور) ہر وقت کے لیے ایک نوشتہ ہے۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے، (اُس میں سے) مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے، باقی رکھتا ہے اور اِس نوشتے کی اصل اُسی کے پاس ہے[۱۷۷]۔ ۳۸-۳۹

ہم جو وعید اِنھیں سنا رہے ہیں، اُس کا کچھ حصہ ہم تمھیں دکھا دیں گے یا تم کو وفات دیں گے (اور اِس کے بعد اِن سے نمٹیں گے)۔ سو تمھاری ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور اِن کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھ رہے کہ اِس سرزمین کو ہم اِس کے کناروں سے کم کرتے ہوئے اِس

کر کے جب پیغمبر بھی خدا کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

۱۷۷ مطلب یہ ہے کہ خدا کے فیصلے مبرم بھی ہوتے ہیں اور معلق بھی۔ پھر جو معلق ہیں، اُن میں وہ اپنی حکمت و مشیت کے تحت تبدیلی بھی کرتا ہے۔ لیکن جو کچھ کرتا ہے، وہی کرتا ہے، اِس لیے کہ اصل نوشتہ اُسی کے پاس ہے اور کسی دوسرے کے لیے اُس تک رسائی کا کوئی موقع نہیں ہے کہ وہاں جائے اور کسی نشانی کے ظہور کا وقت اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر لے۔

مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ
الْمَكْرُ جَمِيْعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ
وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

کی طرف بڑھ رہے ہیں[۱۷۸]۔ اللہ فیصلہ کرتا ہے، کوئی اُس کے فیصلے کو ہٹانے والا نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے[۱۷۹]۔ جو اِن سے پہلے گزرے ہیں، اُنھوں نے بھی چالیں چلی تھیں، مگر چالیں سب اللہ کے اختیار میں ہیں۔ ہر ایک جو کچھ کر رہا ہے، وہ اُس کو جانتا ہے۔ اور یہ منکرین بھی عنقریب جان لیں گے کہ آخرت کی کامیابی کس کے لیے ہے۔ ۴۰-۴۲

(یہ سب سننے کے بعد بھی تمھارے) منکرین کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ کہہ دو، میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور اُن لوگوں کی گواہی جن کے پاس کتاب کا علم ہے[۱۸۰]۔ ۴۳

۱۷۸؎ یہ اُن فتوحات کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کی دعوت کو مکہ کے اطراف میں حاصل ہو رہی تھیں۔ خدا نے اِسے اپنے اقدام سے تعبیر فرمایا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی نشانی ہی دیکھنا چاہتے ہیں تو اِس نشانی کو کیوں نہیں دیکھتے کہ ہماری دعوت کے اثرات گرد و پیش کے قبائل میں پھیلتے جا رہے ہیں، اِن کا دائرہ تنگ ہو رہا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اِن کا یہ شہر بھی ایک دن اِس دعوت کی یلغار سے مفتوح ہو جائے گا۔

۱۷۹؎ رسولوں کی بعثت کے بعد اُن کے مخاطبین کے ساتھ کب کیا ہوگا؟ اِس کا فیصلہ اللہ کرتا ہے۔ یہ اُسی فیصلے کا حوالہ ہے۔ اِس کی حیثیت ایک قضاے مبرم کی ہوتی ہے، اِسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور جس طرح کہ اوپر فرمایا ہے، رسول کی زندگی میں یا اُس کی وفات کے بعد یہ فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ سنا دیا جاتا ہے۔

۱۸۰؎ یعنی صالحین اہل کتاب جن کا ذکر اوپر آیت ۳۶ میں ہو چکا ہے۔

کوالالمپور

۱۶/ مئی ۲۰۱۲ء

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد رفیع مفتی

فضائل رمضان

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دین میں روزہ ایک اہم عبادت ہے۔ یہ عبادت ایک ماہ کے لیے کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات کو کچھ خاص حدود و قیود میں لانا ہے۔

ذیل میں ہم ان احادیث کا مطالعہ کریں گے جو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ اللہ کے نزدیک اس عبادت کی کیا اہمیت و فضیلت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من صام رمضان إيمانًا وإحتسابًا، غفرله ما تقدم من ذنبه. (بخاری، رقم ۳۸)

''جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، اُس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لخلوف فم الصائم أطيب عند اللّٰه من ريح المسك. (بخاری، رقم ۱۸۹۴)

''روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن فى الجنة بابًا، يقال له الريّان، يدخل منه الصائمون يوم القيٰمة، لا يدخل معهم أحد غيرهم، يقال: أين الصائمون؟ فيدخلون منه، فإذا دخل آخرهم أغلق فلم يدخل

''جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریّان کہا جاتا ہے۔ روزہ دار قیامت کے دن اُس سے جنت میں داخل ہوں گے، اُن کے ساتھ کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا۔ پوچھا جائے گا: روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر وہ اُس سے داخل

منه أحد. (مسلم، رقم ۲۷۱۰)

ہوں گے اور جب اُن میں سے آخری شخص بھی داخل ہو جائے گا تو اُسے بند کر دیا جائے گا۔ اِس کے بعد کوئی اُس دروازے سے داخل نہ ہوگا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قال اللّٰه: كل عمل ابن آدم له إلا الصيام فإنه لي وأنا أجزي به والصيام جنة وإذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب فإن سابّه أحد أو قاتله فليقل إني امرؤ صائم والذي نفس محمد بيده، لخلوف فم الصائم أطيب عند اللّٰه من ريح المسك للصائم فرحتان يفرحهما: إذا أفطر فرح وإذا لقي ربه فرح بصومه. (بخاری، رقم ۱۹۰۴)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انسان کا ہر نیک عمل اسی کے لیے ہوتا ہے، سوائے روزے کے، یہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اِس کی جزا دوں گا، روزہ گناہوں کے آگے ایک ڈھال ہے۔ اگر کسی نے روزہ رکھا ہو تو اسے نہ فحش گوئی کرنی چاہیے، نہ شور مچانا چاہیے اور اگر کوئی دوسرا اسے گالی دے یا اس سے لڑنا چاہے تو اسے بس یہی کہنا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے، روزہ رکھنے والے کے لیے خوشی کے دو وقت ہیں: ایک جب وہ روزہ کھولتا ہے، دوسرا جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة عشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف قال اللّٰه عز وجل: إلا الصوم فإنه لي وأنا أجزي به يدع شهوته وطعامه من أجلي للصائم فرحتان: فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه. (مسلم، رقم ۱۱۵۱)

''ابن آدم جو نیکی بھی کرتا ہے، اُس کی جزا اُسے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دی جاتی ہے، لیکن روزے کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ 'فانه لي وأنا أجزي به' (یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اِس کی جزا دوں گا)، اِس لیے کہ بندہ اپنے کھانے پینے اور اپنی جنسی خواہشات کو اِس میں صرف میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ رکھنے والے کے لیے خوشی کے دو وقت ہیں: ایک جب وہ روزہ کھولتا ہے، دوسرا

جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما من عبد یصوم یومًا فی سبیل اللّٰہ إلا باعد اللّٰہ بذلك الیوم وجهه عن النار سبعین خریفًا. (مسلم، رقم ۱۱۵۳)

’’جو شخص اللہ کی راہ (جہاد) میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ اُس ایک دن کے روزے کی وجہ سے اُس شخص کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال دور کر دیتا ہے۔‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إذا جاء رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار وصفدت الشیاطین. (مسلم، رقم ۱۰۷۹)

’’جب رمضان کا مہینا آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ایک صحابی آپ کے پاس آئے اور یہ عرض کی کہ آپ مجھے کسی عمل کا حکم دیں جسے میں آپ کے کہنے پر اختیار کروں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

علیك بالصوم فإنه لا مثل له. (نسائی، رقم ۲۲۲۲)

’’تمھیں چاہیے کہ تم روزے رکھا کرو، کیونکہ کوئی دوسرا عمل اس کی مثل نہیں ہے۔‘‘

’’...روزہ اللہ کے لیے ہے اور وہی اُس کی جزا دے گا۔ یعنی بندے نے جب بغیر کسی سبب کے محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں بعض جائز چیزیں بھی اپنے لیے ممنوع قرار دے لی ہیں تو اب وہ ناپ تول کر اور کسی حساب سے نہیں، بلکہ خاص اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اُس کا اجر دے گا اور اِس طرح بے حساب دے گا کہ وہ نہال ہو جائے گا۔‘‘ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۵۳)

معز امجد
ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَأُتِيَ بِهِ لِيُضَحِّيَ بِهِ فَقَالَ لَهَا: يَا عَائِشَةُ، هَلُمِّي الْمُدْيَةَ، ثُمَّ قَالَ: اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ، ثُمَّ أَخَذَهَا وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ، ثُمَّ ذَبَحَهُ، ثُمَّ قَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ أَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ ضَحّٰى بِهِ.

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: شَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَضْحٰى بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهُ نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهِ وَأُتِيَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ وَقَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ.

عَنْ عَائِشَةَ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُّضَحِّيَ إِشْتَرٰى كَبْشَيْنِ عَظِيْمَيْنِ سَمِيْنَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْءَ يْنِ

فَذَبَحَ أَحَدَهُمَا عَنْ أُمَّتِهِ لِمَنْ شَهِدَ لِلّٰهِ بِالتَّوْحِيدِ وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ وَذَبَحَ الْآخَرَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَعَنْ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ام المومنین حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگوں والا مینڈھا لانے کا حکم فرمایا، جو سیاہ پاؤں، سیاہ پیٹ اور سیاہ حلقوں والی آنکھوں والا (خوب صورت) ہو۔ چنانچہ ایسا مینڈھا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لایا گیا تاکہ آپ اس کی قربانی کریں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عائشہ سے فرمایا: اے عائشہ، چھری لائیے، پھر آپ نے فرمایا: اسے پتھر سے تیز کرلیں، میں نے ایسا ہی کر دیا، پھر آپ نے چھری لی، مینڈھے کو پکڑ کر نیچے لٹایا اور اسے ذبح فرمایا، پھر آپ نے فرمایا: اللہ کے نام سے، اے اللہ، اسے محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما[2]۔ پھر آپ نے اسے دن کے پہلے حصے میں کھایا[3]۔

حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدالاضحیٰ میں عیدگاہ میں حاضر تھا۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا خطبہ پورا کرلیا تو اپنے منبر سے اترے اور ایک مینڈھا لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا[4] اور فرمایا: بسم اللہ واللہ اکبر، یہ میری طرف سے اور میری امت میں سے اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔

ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرنے کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے، موٹے، سینگوں والے، سیاہ وسفید (خوب صورت) اور خصی مینڈھے خریدتے[5]، اور ان میں سے ایک اپنے اس امتی کی طرف سے ذبح فرماتے جو توحید کا اقرار کرتا ہو اور اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا پیغام) پہنچا چکے ہیں اور دوسرا اپنی اور اپنی آل کی طرف سے ذبح فرماتے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ترجمے کے حواشی

۱۔ یہ شریعت اسلامیہ کا ایک مستقل حکم ہے، اس لیے کھائے جانے والے تمام جانور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی قربان کیے جائیں گے۔ اس حکم سے تجاوز کی صورت میں وہ جانور قربانی کے لیے درست نہیں ہیں۔

۲۔ اپنے اہل خانہ کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے سربراہ ہونے کے سبب، اہل اسلام کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی، اپنے اہل خانہ اور تمام مسلم امہ کی طرف سے قربانی کی، بالخصوص ان مومنین کی طرف سے قربانی کی جو بعض وجوہ کی بنا پر قربانی نہیں کر پائے تھے، جیسا کہ اگلی روایت میں یہ بات مزید واضح ہو گئی ہے۔

۳۔ عام طور پر یہ روایت کیا گیا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی سے پہلے کچھ تناول نہیں فرماتے تھے، اور قربانی کے بعد ذبح کیے گئے جانور کے گوشت سے اپنا روزہ افطار فرماتے تھے۔

۴۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات عیدگاہ میں ہی قربانی کرتے تھے، جبکہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قربانی اپنے گھر ہی کے باہر کی۔ احکام الٰہیہ کے معلم ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے پیغام رساں ہونے کی حیثیت سے یہ بات بالکل قابل فہم ہے۔ عبادت کے حوالے سے بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے سامنے عمل کرتے تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل کا مشاہدہ کریں اور اسے سیکھ لیں، جبکہ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی عمل خلوت میں اپنے گھر میں کیا ہو۔

۵۔ پہلی دونوں روایتوں کے برعکس تیسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے بجائے دو مینڈھوں کی قربانی کی۔ اس سے یہ بات بالبداہت واضح ہے کہ حالات کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات ایک مینڈھے کی قربانی کی، جبکہ بعض اوقات دو یا دو سے زیادہ کی قربانی کی۔ تاہم یہ بات دل چسپ ہے کہ یہ روایت ایسے الفاظ میں روایت کی گئی ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل تھا، جبکہ پہلی دونوں روایتیں اس سے مختلف تصویر پیش کرتی ہیں۔ یہ ایک دل چسپ حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث کے مطالعے کے ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ممکن ہے کہ راوی نے ایک خاص اور شاذ واقعے کو عمومی واقعے کے طور پر روایت کیا ہو۔ بعض اوقات یہ حقیقت اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب اس باب کی دوسری روایات کو جمع کیا جائے، جیسا کہ اس روایت سے واضح ہے، اور بعض اوقات یہ بات واضح نہیں ہوتی، بالخصوص جب پہلے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مرحلے میں چند راویوں نے واقعے کو روایت کیا ہو۔

متون

بعض اختلافات کے ساتھ پہلی روایت مسلم، رقم ۱۹۶۷؛ ابوداؤد، رقم ۲۷۹۲؛ احمد، رقم ۲۴۵۳۵؛ ابن حبان، رقم ۵۹۱۵؛ بیہقی، رقم ۱۸۸۲۵-۱۸۹۶۴ میں روایت کی گئی ہے۔

بعض اختلافات کے ساتھ دوسری روایت ابوداؤد، رقم ۲۸۱۰؛ ترمذی، رقم ۱۵۲۱؛ احمد، رقم ۱۱۰۶۶، ۱۴۸۸۰، ۱۴۹۳۶، ۱۴۹۳۸ اور بیہقی، رقم ۱۸۸۱۲-۱۸۹۶۵ میں روایت کی گئی ہے۔

بعض اختلافات کے ساتھ تیسری روایت ابن ماجہ، رقم ۳۱۲۲؛ احمد، رقم ۲۵۸۸۵، ۲۵۹۲۸، ۲۷۲۳۴؛ بیہقی، رقم ۱۸۷۸۸، ۱۸۸۲۶-۱۸۸۲۸، ۱۸۸۶۸، ۱۸۹۶۷ اور ابویعلیٰ، رقم ۱۴۱۷-۱۴۱۸، ۳۱۱۸ میں روایت کی گئی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پہلی روایت

ابوداؤد، رقم ۲۷۹۲ میں 'فأتي به ليضحي به' (چنانچہ ایسا مینڈھا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لایا گیا تاکہ آپ اس کی قربانی کریں) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ 'فأتي به فضحى به' روایت کیے گئے ہیں۔

ابن حبان، رقم ۵۹۱۵ میں 'اشحذيها بحجر' (اسے پتھر سے تیز کر لیں) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ 'حديها بحجر' روایت کیے گئے ہیں۔

ابن حبان، رقم ۵۹۱۵ میں 'باسم الله أللّٰهم تقبل من محمد' (اللہ کے نام سے، اے اللہ، اسے محمد کی طرف سے قبول فرما) کے الفاظ کے بجائے 'بسم الله أللّٰهم باسمك من محمد' (اللہ کے نام سے، اے اللہ، تیرے نام سے محمد کی طرف سے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

دوسری روایت

احمد، رقم ۱۴۸۸۰ میں 'بسم الله والله أكبر، هذا عني وعمن لم يضح من أمتي' (بسم اللہ واللہ اکبر، یہ میری طرف سے اور میری امت میں سے اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی) کے بجائے

’بسم اللّٰہ و اللّٰہ أکبر، أللّٰھم ھذا عنی و عمن لم یضح من أمتی‘ (بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ، یہ میری طرف سے اور میری امت میں سے اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں، جبکہ احمد، رقم ۱۴۹۳۶ میں یہ الفاظ ’بسم اللّٰہ و باللّٰہ، أللّٰھم ھذا عنی و عمن لم یضح من أمتی‘ (بسم اللہ و باللہ، اے اللہ، یہ میری طرف سے اور میری امت میں سے اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی) روایت کیے گئے ہیں۔

احمد، رقم ۱۱۰۶۶ میں یہ روایت درج ذیل الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ضحی بکبش أقرن وقال: ھذا عنی و عمن لم یضح من أمتی.

’’(روایت کیا گیا ہے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگوں والے مینڈھے کی قربانی کی اور فرمایا: یہ میری طرف سے اور میری امت میں سے اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔‘‘

www.javedahmedghamidi.com www.al-mawrid.org

تیسری روایت

احمد، رقم ۲۷۲۳۴ میں یہ روایت اس طرح روایت کی گئی ہے:

أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا ضحی إشتری کبشین سمینین أقرنین أملحین فإذا صلی و خطب الناس أتی بأحدھما وھو قائم فی مصلاۃ فذبحہ بنفسہ بالمدیۃ، ثم یقول: أللّٰھم أن ھذا عن أمتی جمیعًا ممن شھد لک بالتوحید وشھد لی بالبلاغ، ثم یؤتی بالآخر فیذبحہ بنفسہ ویقول: ھذا عن محمد وآل محمد فیطعمھما جمیعًا المساکین ویاکل ھو وأھلہ منھما.

’’(روایت کیا گیا ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرنے کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے، موٹے، سینگوں والے، سیاہ و سفید (خوب صورت) مینڈھے خریدتے، پھر جب آپ نماز اور لوگوں کے سامنے خطبے سے فارغ ہوتے تو ان میں سے ایک مینڈھا لایا جاتا، جبکہ آپ ابھی جاے نماز پر ہی ہوتے، آپ خود چھری کے ساتھ اسے ذبح کرتے، پھر دعا میں کہتے: اے اللہ، یہ میرے ان امتیوں کی طرف سے ہے جو تیری توحید کی گواہی دیں اور اس بات کی گواہی دیں کہ میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا ہے۔ پھر دوسرا مینڈھا لایا جاتا اور اسے بھی آپ خود ذبح کرتے اور فرماتے: یہ محمد اور

آل محمد کی طرف سے ہے۔ پھر آپ ان دونوں کا گوشت تمام مساکین کو کھلاتے اور خود بھی اور آپ کے اہل خانہ بھی ان کا گوشت کھاتے۔''

بیہقی، رقم ۱۸۸۲۷ میں یہ روایت ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أتی بکبشین أملحین أقرنین عظیمین موجوءین فأضجع أحدهما فقال: بسم اللّٰه واللّٰه أکبر أللّٰهم هذا عن محمد، ثم أضجع الآخر فقال: بسم اللّٰه واللّٰه أکبر أللّٰهم هذا عن محمد وأمته ممن شهد لك بالتوحید وشهد لی بالبلاغ فذبحه.

''(روایت کیا گیا ہے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو سیاہ وسفید (خوب صورت)، سینگوں والے، بڑے اور خصی مینڈھے لائے گئے تو آپ نے ان کو لٹایا اور فرمایا: بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ، یہ محمد کی طرف سے ہے، پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوسرا مینڈھا لٹایا اور فرمایا: بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ، یہ میری اور میری اس امت کی طرف سے ہے جس نے تیری توحید کی گواہی دی اور اس بات کی گواہی دی کہ میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا ہے، پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے ذبح فرمایا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بیہقی، رقم ۱۸۹۶۷ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا 'بسم اللّٰه واللّٰه أکبر أللّٰهم منك ولك عن محمد وأمته من شهد لك بالتوحید وشهد لی بالبلاغ' (بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ، یہ نعمت تیری طرف سے ہے اور یہ قربانی محمد اور ان کی اس امت کی طرف سے ہے جس نے تیری توحید کی گواہی دی اور اس بات کی گواہی دی کہ میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا ہے) کے الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔

ابو یعلیٰ، رقم ۱۴۱۷ میں یہ روایت قدرے مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ضحی بکبشین أملحین، فقال عند الذبح الأول: عن محمد وآل محمد وقال عند الذبح الثانی: عمن آمن بی وصدق من أمتی.

''(روایت کیا گیا ہے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خوب صورت مینڈھوں کی قربانی کی اور پہلے کو ذبح کرتے ہوئے فرمایا: یہ محمد اور آل محمد کی طرف سے ہے، اور دوسرے کو ذبح کرتے ہوئے فرمایا: یہ میری امت میں سے اس شخص کی طرف سے ہے جو مجھ پر

ایمان لایا اور میری تصدیق کی۔‘‘

ابویعلیٰ، رقم ۳۱۱۸ میں یہ روایت اس طرح روایت کی گئی ہے:

ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم بكبشين أقرنين أملحين، فقرب أحدهما فقال: بسم الله أللّهم منك ولك هذا عن محمد وأهل بيته وقرب الآخر فقال: بسم الله أللّهم منك ولك هذا عمن وحدك من أمتي.

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خوب صورت مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب (قربانی کے لیے) ان میں سے ایک کے قریب ہوئے تو فرمایا: اللہ کے نام سے، اے اللہ، یہ نعمت تیری طرف سے ہے اور یہ قربانی محمد اور ان کے اہل بیت کی طرف سے تیرے لیے ہے، اور دوسرے کے قریب ہوئے تو فرمایا: اللہ کے نام سے، اے اللہ، یہ نعمت تیری طرف سے ہے اور یہ قربانی میری امت میں سے اس شخص کی طرف سے جس نے تجھے ایک مانا۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مذکورہ روایات میں بعض اضافی الفاظ کے ساتھ ابوداؤد، رقم ۲۷۹۵ میں یہ روایت کچھ مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

ذبح النبي صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجئين فلما وجههما قال: إني وجهت وجهي للذي فطر السماوات والأرض على ملة إبراهيم حنيفًا وما أنا من المشركين إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له وبذلك أمرت وأنا من المسلمين أللّهم منك ولك عن محمد وأمته باسم الله والله أكبر ثم ذبح.

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن دو سینگوں والے، خوب صورت اور خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ چنانچہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا: میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، ملت ابراہیم پر جو (پروردگار کے لیے) بالکل یک سو تھے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بے شک، میری نماز، میری قربانی، میری حیات اور میری موت اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سر تسلیم خم کرنے والوں میں سے ہوں۔ اے اللہ،

یہ نعمت تیری طرف سے ہے اور یہ قربانی محمد اور ان کی
امت کی طرف سے تیرے لیے ہے، اللہ کے نام سے،
اور وہ سب سے عظیم ہے۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ
وسلم) نے اسے ذبح فرمایا۔‘‘

یہ روایت بیہقی، رقم ۱۸۹۶۶ میں بھی روایت کی گئی ہے۔ تاہم علامہ ناصر الدین الالبانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

’’...روزہ انسان کو صبر کی تربیت دیتا ہے۔ بلکہ صبر کی تربیت کے لیے اِس سے بہتر اور اِس سے زیادہ موثر کوئی دوسرا طریقہ شاید نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ہم جس امتحان سے دوچار ہیں، اُس کی حقیقت اِس کے سوا کیا ہے کہ ایک طرف ہمارے حیوانی وجود کی منہ زور خواہشیں ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ ہے کہ ہم اُس کے حدود میں رہ کر زندگی بسر کریں؟ یہ چیز قدم قدم پر صبر کا تقاضا کرتی ہے۔ سچائی، دیانت، تحمل، بردباری، عہد کی پابندی، عدل و انصاف، عفوو درگذر، منکرات سے گریز، فواحش سے اجتناب اور حق پر استقامت کے اوصاف نہ ہوں تو تقویٰ کے کوئی معنی نہیں ہیں، اور صبر کے بغیر یہ اوصاف، ظاہر ہے کہ آدمی میں کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتے۔‘‘ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۰)

امین احسن اصلاحی

روزہ اور برکات روزہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شہوات اور خواہشات نفس کے غلبہ سے انسان کے اندر خدا سے جو غفلت اور اس کے حدود سے جو بے پروائی پیدا ہوتی ہے، اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزے کی عبادت مقرر کی ہے۔ اس عبادت کا نشان تمام قدیم مذاہب میں بھی ملتا ہے، بالخصوص تزکیۂ نفس کے جتنے طریقے بھی صحیح یا غلط دنیا میں اب تک اختیار کیے گئے ہیں، ان سب میں اس عبادت کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مذاہب کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ پچھلے ادیان میں اس عبادت کے آداب و شرائط، اسلام کی نسبت سے زیادہ سخت تھے۔ اسلام دین فطرت ہے، اس وجہ سے اس نے اس کی ان پابندیوں کو نسبتاً نرم کر دیا ہے جو انسان کی عام طاقت کے تحمل سے زیادہ تھیں، جن کو صرف خاص خاص لوگ ہی برداشت کر سکتے تھے۔

یہ عبادت نفس پر شاق ہونے کے اعتبار سے تمام عبادات میں سب سے زیادہ نمایاں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی کی تربیت و اصلاح میں اس کا عمل بڑا مشکل ہے۔ یہ انسان کے نہایت سرکش اور منہ زور رجحانات پر کمند ڈالتی اور ان کو رام کرتی ہے، اس وجہ سے یہ عین اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ ان کے مزاج میں سختی اور درشتی ہو۔

نفس انسانی کے جو پہلو سب سے زیادہ زور دار ہیں، ان میں شہوات، خواہشات اور جذبات سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کی فطرت میں اشتعال، ہیجان اور جوش ہے، اس وجہ سے ارادہ کو ان پر قابو پانے کے لیے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ یہ ریاضت اتنی سخت اور ہمت شکن ہے کہ قدیم مذہب کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیۂ نفس کے بہت سے طالبین سرے سے اس چیز ہی سے مایوس ہو گئے کہ ان کو قابو میں بھی لایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ انھوں نے ان کو قابو میں لانے اور ان کی تربیت کرنے کے بجاے ان کے یک قلم ختم کر دینے کی تدبیریں سوچیں اور اختیار کیں، لیکن اسلام ایک دین فطرت ہے اور یہ چیزیں بھی انسانی فطرت کے لازمی اجزا میں سے ہیں، جن کے بغیر انسان کے شخصی اور نوعی تقاضوں کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے اس نے ان کو ختم کر دینے کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ ان کو قابو میں کر کے ان کو صحیح راہ پر لگانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کو قابو میں کرنا ان کو ختم کر دینے کے مقابل میں کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ ایک منہ زور گھوڑے کو ختم کر دینا ہو تو اس کے لیے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ بندوق کی ایک گولی اس کو ٹھنڈا کر دینے کے لیے بالکل کافی ہے، لیکن اگر اس کو رام کر کے سواری کے کام میں لانا ہے تو یہ مقصد ایک ماہر شہ سوار بڑی ریاضتوں، بڑی مشقوں اور بہت سے خطرات کا مقابلہ کرنے کے بعد ہی حاصل کر سکتا ہے۔

روزے کی عبادت اسلام نے اس لیے مقرر فرمائی ہے کہ ایک طرف نفس انسانی کے یہ سرکش رجحانات ضعیف ہو کر اعتدال پر آئیں اور دوسری طرف انسان کی قوت ارادی ان کو دبانے اور ان کو حدود الٰہی کا پابند بنانے کے لیے طاقت ور ہو جائے۔ اپنے اس دو طرفہ عمل کے سبب سے تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اس عبادت کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی برکات کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ اس کی چند برکات کا ذکر کریں گے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روزے کی برکات

روح ملکوتی کی آزادی

روزے کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ اس سے انسان کی روح ملکوتی کو نفسانی خواہشات کے دباؤ سے بہت بڑی حد تک آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہماری روح ملکوتی کا حقیقی میلان ملاءِ اعلیٰ کی طرف ہے۔ وہ فطری طور پر خدا کے تقرب، ملائکہ سے تشبہ اور سفلیات سے تجرد کی طالب ہے اور مادی زندگی کے تقاضوں میں گرفتار رہنے کے بجاے اعلیٰ عقلی و اخلاقی مقاصد کے لیے پرواز کرنا چاہتی ہے، روح کے ان تقاضوں اور نفس کے ان مطالبات میں، جو خواہشات و شہوات سے پیدا ہوتے ہیں، ایک کھلا ہوا تضاد ہے۔ ان دونوں میں اکثر تصادم رہتا ہے اور اس تصادم میں اکثر جیت خواہشات و شہوات ہی کو ہوتی ہے۔

یہ صورت حال ظاہر ہے کہ روح کے فطری میلانات کے بالکل خلاف ہے۔ اگر یہی حالت عرصہ تک باقی رہ جائے اور روح کو اپنی پسند کے میدانوں میں جولانی کا کوئی موقع نہ ملے تو پھر نہ صرف یہ کہ اس کی قوت پرواز ختم ہو جاتی ہے، بلکہ آہستہ آہستہ وہ خود بھی ختم ہو جاتی ہے۔

روزہ اس صورت حال میں وقتاً فوقتاً تبدیلی کرتا رہتا ہے۔ یہ ان چیزوں پر بہت سی پابندیاں عائد کر دیتا ہے جو شہوات وخواہشات کو تقویت پہنچانے والی ہیں۔ اس سے آدمی کا کھانا پینا اور سونا سب کم ہو جاتا ہے۔ دوسری لذتوں اور دل چسپیوں پر بھی بعض پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ ان چیزوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نفس کے شہوانی میلانات کی جولانیاں بہت کم ہو جاتی ہیں اور روح ملکوتی کو اپنی پسند کے میدانوں میں جولانی کے لیے موقع مل جاتا ہے۔

روزے کی یہی خصوصیت ہے جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ساتھ ایک خاص نسبت دی ہے اور روزہ دار کو خاص اپنے ہاتھ سے اس کے روزے کی جزا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یوں تو اسلام نے جتنی عبادتیں بھی مقرر فرمائی ہیں، سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، لیکن روزے میں دنیا اور لذات دنیا کو ترک کر کے بندہ خدا سے قرب اور اس کے ملائکہ سے مناسبت اور تشبہ حاصل کرنے کی جو کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں مشقت اٹھاتا ہے، وہ روزے کے سوا کسی دوسری عبادت میں اس قدر نمایاں نہیں ہے۔ فقر، درویشی، زہد، تجرد، ترک دنیا اور تبتل الی اللہ کی جو شان اس عبادت میں ہے، وہ اس کا خاص حصہ ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے کہ رہبانیت جس حد تک اسلام میں جائز رکھی گئی ہے اور جس درجہ تک اللہ تعالیٰ نے تربیت نفس کے لیے اس کو پسند فرمایا ہے، اسلام میں یہی عبادت اس کا مظہر ہے۔ اگر ایک بندہ روزے کی ساری مشقتیں اور پابندیاں فی الحقیقت اسی لیے جھیلتا ہے کہ اس کی روح اس عالم ناسوت کی دلدل سے آزاد ہو کر عالم لاہوت کی طرف پرواز کر سکے اور اسے خدا کا قرب حاصل ہو سکے تو بلاشبہ اس کی یہ کوشش اسی چیز کی مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ساتھ خاص نسبت دے اور اس کی جزا خاص اپنے ہاتھوں سے دے۔ ایک حدیث ملاحظہ ہو جس میں یہ حقیقت بیان ہوئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم: قال اللّٰه: كل عمل ابن آدم له إلا الصيام فإنّه لى و أنا أجـزِى به. و الصيام جُنة. و إذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث

”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے، مگر روزہ، یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ روزہ ایک سپر ہے۔ جب کسی کا روزہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ولا يصخب فإن سابّه أحد أو قاتله فليقل: إنّي امرؤ صائم. والذي نفس محمد بيده، لخلوف فم الصائم أطيب عند اللّٰه من ريح المِسك. للصائم فرحتان يفرحهما: إذا أفطر فرح وإذا لقي ربّه فرح بصومه. (بخاری، رقم ۱۹۰۴)

ہو تو اسے چاہیے کہ نہ شہوت کی کوئی بات کرے اور نہ شور و شغب کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ کرے یا لڑے جھگڑے تو وہ اس سے کہے کہ بھائی، میں روزے سے ہوں۔ اس خدا کی قسم جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوش بو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک اس کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ روزہ کھولتا ہے اور دوسری اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا۔''

مزید روایات میں اسی سلسلہ کی کچھ اور باتیں ہیں جن سے حدیث کی اصل حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے ہم ان کو بھی یہاں نقل کیے دیتے ہیں:

يترك طعامه و شرابه و شهوته من أجلي الصيام لي وأنا أجزي به. والحسنة بعشر أمثالها. (بخاری، رقم ۱۷۹۵)

''(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) بندہ اپنا کھانا اور پینا اور اپنی شہوت میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ نیکیوں کا بدلہ دس گنا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كلّ عمل ابن آدم يُضاعف الحسنة عشر أمثالها إلى سبع مأة ضعف، قال اللّٰه عزّ وجلّ: إلّا الصوم فإنه لي وأنا أجزي به يدع شهوته وطعامه من أجلي، للصائم فرحتان: فرحة عند فطره و فرحة عند لقاء ربّه. ولَخلوفُ فيه أطيب عند اللّٰه من ريح المِسكِ. (مسلم، رقم ۱۱۵۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کا ہر عمل بڑھایا جائے گا، یعنی نیکیاں دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بڑھائی جائیں گی، مگر روزے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ بندہ اپنی خواہش اور اپنا کھانا پینا میرے لیے قربان کرتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی اس کو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، دوسری خوشی اس کو اپنے رب کی ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔ اور اس کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوش بو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان دونوں روایتوں کو ملا کر غور کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو اپنی طرف خاص نسبت کیوں دی ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خاص اپنے ہاتھ سے اس کا بدلہ دینے کا مطلب کیا ہے۔

اس کو اپنے لیے خاص قرار دینے کی وجہ تو یہ ہے کہ بندہ محض اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ان خواہشوں اور اپنے نفس کے ان مطالبات کو ترک کرتا ہے جن کا اس کے نفس پر سب سے زیادہ غلبہ ہوتا ہے اور جن کے اندر اس کی تمام مادی خوشیاں اور تمام مادی لذتیں سمٹی ہوئی ہیں۔ ان لذتوں سے محض اللہ کی رضا کے لیے منہ موڑ لینا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اس نے اسے محبوبیت کا ایک خاص درجہ دیا اور فرمایا کہ بندہ روزہ خاص میرے لیے رکھتا ہے اور میری خوشی کے لیے اپنا کھانا پینا اور اپنی لذتوں کو چھوڑتا ہے۔

خاص اپنے ہاتھ سے بدلہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے بدلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بندھے ہوئے قاعدے ہیں۔ حالات و خصوصیات کے لحاظ سے ہر نیکی کا دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بدلہ ملے گا۔ مثلاً فرض کیجیے ایک نیکی سازگار حالات کے اندر کی گئی ہے اور دوسری نیکی مشکل حالات کے اندر کی گئی ہے یا ایک نیکی پوری احتیاط اور پوری نگہداشت کے ساتھ کی گئی ہے اور دوسری نسبتاً کم اہتمام اور کم نگہداشت کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس طرح کے فرق و اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر شخص کی نیکی کا جو اجر ہونا چاہیے، وہ مذکورہ بالا اصول کے مطابق خدا کے رجسٹر میں درج ہوگا اور ہر حق دار اس اجر کو حاصل کر لے گا، لیکن روزے کی جو عبادت ہے، اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے اس فارمولے کے تحت نہیں رکھا ہے، بلکہ اس کا فیصلہ کسی اور فارمولے کے مطابق ہوگا جس کا علم صرف اسی کو ہے۔ جب جزا دینے کا وقت آئے گا، تب وہی اس کو کھولے گا اور خاص اپنے ہاتھ سے ہر روزہ رکھنے والے کو صلہ دے گا۔ جس عبادت کی جزا کے لیے یہ کچھ اہتمام ہوگا، کون اندازہ کر سکتا ہے کہ آسمان و زمین سب کا مالک اس کی کیا جزا دے گا۔

سد ابواب فتنہ

اس کی دوسری برکت یہ ہے کہ آدمی کے اندر فتنہ کے جو بڑے بڑے دروازے ہیں، روزہ ان کو بہت بڑی حد تک بند کر دیتا ہے۔ آدمی کے اندر فتنے کے بڑے دروازے، جیسا کہ ایک سے زیادہ حدیثوں میں تصریح ہے، بطن اور فرج ہیں، انھی کے سبب سے آدمی نہ جانے خود کتنی ہلاکتوں میں مبتلا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی نہیں معلوم کتنی ہلاکتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ یہی راستے ہیں جن سے شیطان انسان پر سب سے زیادہ حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر کوئی انسان ان کی حفاظت کر سکے تو سمجھیے کہ اس نے اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس شخص کے لیے جنت کی ضمانت دی ہے جو شخص ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے سکے۔ ایک حدیث ملاحظہ ہو:

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان چیزوں کے بارے میں مجھے ضمانت دے سکے جو اس کے دونوں کلّوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان میں ہیں، میں اس کے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔'' (بخاری، رقم ۶۱۰۹)

روزہ ان کی حفاظت کا بہتر سے بہتر انتظام کرتا ہے۔ انسان کے لیے روزے میں صرف کھانا پینا ہی حرام نہیں ہو جاتا، بلکہ لڑنا جھگڑنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا اور غیر ضروری باتوں میں حصہ لینا بھی روزے کے مقصد کے بالکل خلاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روزے میں صرف شہوانی تقاضوں کا پورا کرنا ہی حرام نہیں ہو جاتا، بلکہ وہ تمام چیزیں بھی روزے کے منشا کے خلاف ہیں جو اس کے شہوانی میلانات کو شہ دینے والی ہوں۔ روزہ خود بھی ان میلانات کو ضعیف کرتا ہے اور روزہ دار کو بھی ہدایت ہے کہ وہ حتی الامکان اپنے آپ کو ان تمام مواقع سے دور رکھے جہاں سے اس کے ان رجحانات کو غذا بہم پہنچ جانے کا امکان ہو۔

فتنہ کے دروازوں کے بند ہو جانے سے اس کے لیے ان کاموں کا کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے جو خدا کی رضا کے کام ہیں اور جن سے جنت حاصل ہوتی ہے اور ان کاموں کی راہیں بند ہو جاتی ہیں جو خدا کی مرضی کے خلاف کام ہیں اور جن کے سبب سے آدمی دوزخ میں پڑے گا۔ شیطان اس کے آگے بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی ساری چوکڑی بھول جاتی ہے۔ وہ ڈھونڈتا ہے، لیکن اس کو روزہ دار پر حملہ کرنے کے لیے کوئی راہ نہیں ملتی۔ یہی حقیقت ہے جو ایک حدیث شریف میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم: إذا دخل شهر رمضان فُتِّحَتُ أبواب السماء و غُلِّقت أبواب جهنم و سُلسلت الشياطين. (بخاری، رقم ۱۸۰۰)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان کا مہینا آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔''

قوت ارادی کی تربیت

روزے کی تیسری برکت یہ ہے کہ یہ آدمی کی قوت ارادی کی بہترین طریقہ پر تربیت کرتا ہے۔ شریعت کے حدود کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پابندی کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ آدمی کی قوت ارادی نہایت مضبوط ہو۔ بغیر مضبوط قوت ارادی کے یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص شہوات و جذبات اور خواہشات کے غیر معتدل ہیجانات کو دبا سکے اور جو شخص ان کے مفرط ہیجان کو دبا نہیں سکتا، اس کے لیے یہ محال ہے کہ وہ شریعت کے حدود کو قائم رکھ سکے۔ ایک ضعیف اور لچلچے ارادہ کا آدمی ہر قدم پر ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ جب بھی کوئی چیز اس کے غصہ کو اشتعال دلانے والی سامنے آ جائے گی، وہ بڑی آسانی سے اس سے مغلوب ہو جائے گا؛ جب بھی کوئی طمع پیدا کرنے والی چیز اس کو اشارہ کر دے گی، وہ اس کے پیچھے لگ جائے گا اور جہاں بھی کوئی چیز اس کو اکسانے والی نظر آ جائے گی، وہیں وہ پھسل کے گر پڑے گا۔ اس طرح کی ضعیف قوت ارادی کا انسان دنیا میں عزم و ہمت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ وہ شریعت کے حدود و قیود کی پابندی کر سکے۔ بالخصوص شریعت کا وہ حصہ جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے، مضبوط صبر کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس صبر کی مشق روزے سے حاصل ہوتی ہے اور پھر اسی صبر سے وہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو روزے کا اصل مقصود ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ. (البقرہ۲: ۱۸۳)	’’اے ایمان والو، تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کیا گیا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔‘‘

تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو، یعنی تاکہ صبر اور برداشت کی تربیت سے تمھاری قوت ارادی مضبوط ہو اور تمام ترغیبات و تحریکات اور تمام مشکلات و موانع کا مقابلہ کر کے تم شریعت کے حدود پر قائم رہ سکو۔

یہی قوت مومن کے ہاتھ میں وہ ہتھیار ہے جس سے وہ شیطان کے ہر وار کو روک سکتا ہے جو وہ خواہشات و جذبات اور شہوات کی راہ سے اس پر کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر اس حدیث میں، جو اوپر گزر چکی ہے، روزے کو ایک ڈھال کہا گیا ہے اور روزہ دار کو یہ ڈھال استعمال کرنے کی تعلیم یوں دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ یا لڑائی جھگڑا شروع کر دے تو اس سے کہے کہ میں روزے سے ہوں۔

جذبۂ ایثار کی پرورش

روزے سے انسان کے اندر جذبۂ ایثار کی بھی پرورش ہوتی ہے اور یہ جذبہ انسان کے ان اعلیٰ جذبات میں سے ایک ہے جن سے ہزاروں نیکیوں کے لیے اس کے اندر حرکت پیدا ہوتی ہے۔ انسان جب روزے میں بھوکا پیاسا رہتا ہے اور اپنی دوسری خواہشوں کو بھی دبانے پر مجبور ہوتا ہے تو اس طرح اسے غریبوں، فاقہ کشوں، محتاجوں اور مظلوموں کے دکھ درد اور ان کے شب و روز کا اندازہ کرنے کا بذات خود موقع ملتا ہے۔ وہ بھوک اور پیاس کا مزہ چکھ کر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بھوکوں اور پیاسوں سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ ان کی ضرورتوں اور تکلیفوں کو سمجھنے لگتا ہے اور پھر قدرتی طور پر اس کے اندر یہ جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر ان کے لیے کچھ کر سکتا ہے تو کرے۔ روزے کا یہ اثر ہر شخص پر اس کی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے پڑتا ہے، کسی پر کم پڑتا ہے، کسی پر زیادہ۔ لیکن جس شخص کے روزے میں روزے کی خصوصیات موجود ہیں، ان پر روزے کا یہ اثر پڑتا ضرور ہے۔ جن کا جذبۂ ایثار کمزور ہوتا ہے، روزہ کچھ نہ کچھ ان کو بھی متحرک کر دیتا ہے اور جن کے اندر یہ جذبہ قوی ہوتا ہے، ان کے لیے تو روزوں کا مہینا اس جذبہ کے ابھرنے کے لیے گویا موسم بہار ہوتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تر دستیاں اور فیض بخشیاں یوں تو ہمیشہ ہی جاری رہتی تھیں، لیکن رمضان کا مہینا تو گویا آپ کے جود و کرم کا موسم بہار ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كان النبي صلى الله عليه وسلم أجود الناس بالخير و كان أجود ما يكون في رمضان. (بخاری، رقم ۶)	''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو عام حالات میں بھی سب سے زیادہ فیاض تھے، لیکن رمضان میں تو گویا آپ سراپا جود و کرم ہی بن جاتے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآن مجید سے مناسبت

قرآن مجید کو روزے کی عبادت کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے۔ اس مناسبت کے سبب سے روزہ دار پر قرآن مجید کی خاص برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ روزے کی حالت میں بہت سے دنیاوی مشاغل کا بوجھ روزہ دار کے اوپر سے اترا ہوا ہوتا ہے اور نفس کے میلانات و رجحانات میں، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، روزے کے سبب سے بڑی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خاموشی، خلوت، غیر ضروری مصروفیتوں سے علیحدگی اور ترک و انقطاع کی ایک مخصوص زندگی، جو روزہ دار کو حاصل ہوتی ہے، قرآن کی تلاوت اور اس کے تدبر کے لیے کچھ خاص موزونیت رکھتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت اتاری جب آپ غار حرا میں معتکف تھے۔ نیز قرآن مجید کے نزول کے لیے اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مبارک مہینے کو منتخب فرمایا اور اس نعمت کی شکر گزاری کے لیے اس پورے مہینے میں روزے رکھنا امت پر فرض قرار دیا۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر شب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قراءت قرآن مجید کا مذاکرہ کرنے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے اور جتنا قرآن مجید نازل ہو چکا ہوا ہوتا تھا، اس کا مذاکرہ فرماتے تھے۔ رمضان کی راتوں میں تراویح میں قرآن کے سننے اور سنانے کی جو اہمیت ہے، وہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ یہ ساری باتیں شہادت

دیتی ہیں کہ قرآن مجید کو روزوں سے اور روزوں کو قرآن مجید سے گہری مناسبت ہے۔

تبتل الی اللہ

روزے کی اصل غایت دل، دماغ، جسم اور روح سب کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا ہے۔ اسی چیز کو قرآن مجید میں تبتل الی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ مقام آدمی کو روزے سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کو حاصل کرنے کے لیے روزے کے ساتھ اعتکاف کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اعتکاف اگرچہ ہر شخص کے لیے رمضان کے روزوں کی طرح ضروری چیز نہیں ہے — بلکہ یہ اختیاری عبادت ہے — لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر رمضان کے آخری عشرہ میں، جبکہ روح میں تجرد و انقطاع اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی ایک خاص کیفیت و حالت پیدا ہو جاتی ہے، آدمی اعتکاف میں بیٹھ جائے تو اس سے روزے کا جو اصل مقصود ہے، وہ کمال درجہ حاصل ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں جو اہتمام فرماتے تھے، اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس طرح فرماتی ہیں:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا دخل العشر أحیا اللیل و أیقظ أھلہ و جدّ و شدّ المئزر. (مسلم، رقم ۱۱۷۴)	''جب رمضان کا آخری عشرہ آتا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری فرماتے، اپنے اہل و عیال کو بھی شب بیداری کے لیے اٹھاتے اور کمر کس کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑے ہوتے۔''

(تزکیۂ نفس ۲۳۹-۲۴۷)

''...بھوک اور پیاس کی حالت میں چونکہ طبیعت میں کچھ تیزی پیدا ہو جاتی ہے، اِس وجہ سے بعض لوگ روزے کو اُس کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجاے، اُسے بھڑکانے کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے نیچے کام کرنے والوں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے، جو منہ میں آیا، کہہ گزرتے، بلکہ بات بڑھ جائے تو گالیوں کا جھاڑ باندھ دیتے ہیں، اور بعض حالتوں میں اپنے زیردستوں کو مارنے پیٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اِس کے بعد وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتے ہیں کہ روزے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔'' (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۱)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

روزہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسری اہم عبادت روزہ ہے۔ عربی زبان میں اِس کے لیے 'صوم' کا لفظ آتا ہے جس کے معنی کسی چیز سے رک جانے اور اُس کو ترک کر دینے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اِسی کو روزہ کہتے ہیں۔ انسان چونکہ اِس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کا جذبۂ عبادت جب اُس کے عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اِسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے۔ اِس میں بندہ اپنے پروردگار کے حکم پر اور اُس کی رضا اور خوشنودی کی طلب میں بعض مباحات کو اپنے لیے حرام قرار دے کر مجسم اطاعت بن جاتا اور اِس طرح گویا زبان حال سے اِس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حکم سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اگر قانون فطرت کی رو سے جائز کسی شے کو بھی اُس کے لیے ممنوع ٹھیرا دیتا ہے تو بندے کی حیثیت سے زیبا یہی ہے کہ وہ بے چون و چرا اِس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

اللہ کی عظمت و جلالت اور اُس کی بزرگی اور کبریائی کے احساس و اعتراف کی یہ حالت، اگر غور کیجیے تو اُس کی شکر گزاری کا حقیقی اظہار بھی ہے۔ چنانچہ قرآن نے اِسی بنا پر روزے کو خدا کی تکبیر اور شکر گزاری قرار دیا اور فرمایا ہے کہ اِس مقصد کے لیے رمضان کا مہینا اِس لیے خاص کیا گیا ہے کہ قرآن کی صورت میں اللہ نے جو ہدایت اِس مہینے میں تمھیں عطا فرمائی ہے اور جس میں عقل کی رہنمائی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کے لیے واضح اور قطعی حجتیں ہیں،

اُس پر اللہ کی بڑائی کرو اور اُس کے شکر گزار بنو۔

اِس کا منتہاے کمال یہ ہے کہ آدمی روزے کی حالت میں اپنے اوپر مزید کچھ پابندیاں عائد کر کے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر چند دنوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرے۔ اصطلاح میں اِسے اعتکاف کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا، لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اِس کی بڑی اہمیت ہے۔ روزہ و نماز اور تلاوت قرآن کے امتزاج سے جو خاص کیفیت اِس سے پیدا ہوتی اور نفس پر تجرد و انقطاع اور تبتل الی اللہ کی جو حالت طاری ہو جاتی ہے، اُس سے روزے کا اصلی مقصود درجۂ کمال پر حاصل ہوتا ہے۔

روزے کی تاریخ

نماز کی طرح روزے کی تاریخ بھی نہایت قدیم ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ روزہ مسلمانوں پر اُسی طرح فرض کیا گیا، جس طرح وہ پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تربیت نفس کی ایک اہم عبادت کے طور پر اِس کا تصور تمام مذاہب میں رہا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روزے کا مقصد

اِس کا مقصد قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگ خدا کا تقویٰ اختیار کر لیں۔ قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے شب و روز کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رکھ کر زندگی بسر کرے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اِس بات سے ڈرتا رہے کہ اُس نے اگر کبھی اِن حدود کو توڑا تو اِس کی پاداش سے اللہ کے سوا کوئی اُس کو بچانے والا نہیں ہو سکتا۔

روزے کا قانون

اِس کا قانون درج ذیل ہے:

روزے کی نیت سے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ تعلق سے اجتناب ہی روزہ ہے۔

یہ پابندی فجر سے لے کر رات کے شروع ہونے تک ہے، لہٰذا روزے کی راتوں میں کھانا پینا اور بیویوں کے

پاس جانا بالکل جائز ہے۔

روزوں کے لیے رمضان کا مہینا خاص کیا گیا ہے، اِس لیے جو شخص اِس مہینے میں موجود ہو، اُس پر فرض ہے کہ اِس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

بیماری یا سفر کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کے باعث آدمی اگر رمضان کے روزے پورے نہ کر سکے تو لازم ہے کہ دوسرے دنوں میں رکھ کر اُس کی تلافی کرے اور یہ تعداد پوری کر دے۔

حیض و نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ تاہم اِس طرح چھوڑے ہوئے روزے بھی بعد میں لازماً پورے کیے جائیں گے۔

روزے کا منتہاے کمال اعتکاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو اِس کی توفیق دے تو اُسے چاہیے کہ روزوں کے مہینے میں جتنے دنوں کے لیے ممکن ہو، دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں گوشہ نشین ہو جائے اور بغیر کسی ناگزیر انسانی ضرورت کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔

آدمی اعتکاف کے لیے بیٹھا ہو تو روزے کی راتوں میں کھانے پینے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن بیویوں کے پاس جانا اُس کے لیے جائز نہیں رہتا۔ اعتکاف کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اِسے ممنوع قرار دیا ہے۔

(الاسلام ۱۰۳-۱۰۶)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

”...روزہ اِس احساس کو آدمی کے ذہن میں پوری قوت کے ساتھ بیدار کر دیتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ نفس کے چند بنیادی مطالبات پر حرمت کا قفل لگتے ہی یہ احساس بندگی پیدا ہونا شروع ہوتا اور پھر بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ روزہ کھولنے کے وقت تک یہ اُس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔“ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۵۹)

شاہد رضا

روزہ اور تزکیۂ نفس

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اللہ تعالیٰ کے احکام، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے متعلق، سراسر فطری احکام ہیں۔ یہ اسی دین فطرت کے احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانیت کے بعد ان کی رشد و ہدایت کے لیے ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔ روزہ انھی احکام میں سے ایک اہم حکم ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کے بعد یہ تیسری اہم فرض عبادت ہے۔ عربی زبان میں اسے 'صوم' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لغوی طور پر اس کے معنی کسی شے سے رک جانے اور اس کو ترک کر دینے کے ہیں، اور اصطلاح شریعت میں یہ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے*۔ اس کی فرضیت اور تشریع جس طرح اہل اسلام کے لیے ہے، اسی طرح امم سابقہ کے لیے بھی تھی۔ قرآن مجید میں اس کی وضاحت اس طرح بیان ہوئی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرہ ۲: ۱۸۳)	''ایمان والو، تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ۔''

روزے کی اصل غرض و غایت، جیسا کہ قرآن مجید نے واضح فرمائی ہے، یہ ہے کہ انسان کو تقویٰ حاصل ہو اور وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے حدود کو پیش نظر رکھے اور اس بات سے ڈرے کہ اگر اس نے ان کو پامال کیا تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی راہ فرار نہیں ہوگی۔

* میزان، جاوید احمد غامدی ۳۵۲۔

تزکیۂ نفس اور تطہیر ذات کے لیے روزہ نہایت ہی اہم عبادت ہے۔ اصل مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے تو تقرب الی اللہ کے لیے یہ بہترین ذریعہ ہے اور اس سے انفس و آفاق کے در بہ آسانی وا ہو سکتے ہیں۔ انسان کی تعمیر سیرت اور کردار کے لیے یہ میزان و معیار ہے، جس کے سبب سے اس کے مزاج میں استقلال و تسلسل کے ساتھ ساتھ مثبت تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ روزے کی حالت میں بے آمیز اطاعت، تسلیم و رضا، انابت و اخبات اور خشیت و ڈر کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ رب العٰلمین کے سپرد کر دیتا اور صرف اسی سے لو لگاتا ہے تو وہ اس کے لیے دنیا و آخرت میں بہترین صلہ مقدر کر دیتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

فإنه لی و أنا أجزی به یدع شهوته و طعامه من أجلی. (مسلم، رقم ۱۱۵۱)

''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، کیونکہ روزہ دار اپنی خواہش اور کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑتا ہے۔''

تزکیۂ نفس کے پہلو سے روزہ متعدد روحانی، جسمانی، اخلاقی، فکری اور اصلاحی فوائد کا حامل ہے؛ زہد و تقویٰ، فقر و سادگی، نرم خوئی، ایثار و ہم دردی اور صبر و استقامت اس کے عمومی فوائد ہیں۔ اس کی جملہ برکات کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، اس کا فہم حاصل کیا جائے، اس پر عمل کیا جائے اور اس کے ابلاغ کے لیے اہتمام کیا جائے۔

اس کے برخلاف، اگر روزہ دار اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور حدود و قیود سے بے پروائی، سہل اور غفلت کا ارتکاب کرتا ہے تو روزہ اس کے لیے بے سود؛ وہ مرغوبات کے حصول میں کوشاں رہے تو روزہ اس کے لیے بے معنی؛ وہ ریا اور بخالت کو اپنا شعار بنا لے تو روزہ اس کے لیے بے مقصد؛ وہ اشتعال اور غصے کو اپنا ہتھیار بنا لے تو روزہ اس کے لیے بے روح؛ وہ مخاصمت و مشاجرت میں اپنی زبان کو کھلا چھوڑ دے اور مشاتمت کو اپنی عادت بنا لے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من لم یدع قول الزور و العمل به فلیس لله حاجة فی أن یدع طعامه و شرابه. (بخاری، رقم ۱۸۰۴)

''جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے، تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دین و دانش

جاوید احمد غامدی

اسلام اور قومیت

[''اسلام اور ریاست — ایک جوابی بیانیہ'' پر تنقیدات کے جواب میں لکھا گیا۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رنگ، نسل، زبان، تہذیب و ثقافت اور وطن کی طرح مذہب بھی قومیت کی تشکیل کے عوامل میں سے ایک اہم عامل ہے۔ صدیوں کے تعامل سے مسلمان اب اِسی حوالے سے ایک قوم بن چکے ہیں اور اگر کوئی چیلنج درپیش ہو تو کم سے کم برصغیر میں پورے جوش و جذبے کے ساتھ اپنی اِس قومیت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے اِسی بنا پر فرمایا تھا کہ یہاں کے مسلمان بین الاقوامی قانون کے تمام ضوابط کے لحاظ سے ایک الگ قوم ہیں، اِس لیے کہ دوسری اقوام کے مقابل میں اُن کی تہذیب، ثقافت، زبان و ادب، علوم و فنون، رسوم و روایات، ذہن، مزاج، قانون، اخلاقی ضوابط اور اسلوب حیات، یہاں تک کہ اُن کی تقویم اور نام رکھنے کا طریقہ، سب منفرد خصوصیات کے حامل ہیں*۔ قائد اعظم کا یہ ارشاد سراسر حقیقت اور ایک امر واقعی کا بیان تھا جس سے کوئی شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میں نے بھی نہیں کیا اور ''اسلام اور ریاست'' کے زیر عنوان اپنے جوابی بیانیے میں کسی جگہ نہیں کہا کہ مسلمان ایک قوم نہیں ہیں یا نہیں ہو سکتے۔

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ اسلام کا تقاضا اور اُس کی شریعت کا کوئی حکم نہیں ہے کہ مسلمانوں کی قومیت اسلام ہے، اِس لیے تمام مسلمانوں کو ایک ہی قوم ہونا چاہیے۔ میرے ناقدین جس بات کی تردید کر رہے ہیں، وہ میں نے کہی نہیں اور جو کچھ کہا ہے، اُس کی تردید کے لیے قرآن و حدیث کے نصوص چاہییں اور وہ کسی طرح

---

* قائد اعظم: تقاریر و بیانات ۳/ ۶۷۔

میسر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ایک خالص دینی حکم کو ثابت کرنے کے لیے قائداعظم کی تقریروں اور علامہ اقبال کے اشعار اور تحریک پاکستان کے واقعات پر اکتفا کر لی گئی ہے۔

برصغیر کے مسلمان ایک قوم ہیں، یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ مسلمانوں کی مسجد میں منار اور گنبد ہوتے ہیں تو اِس سے کون انکار کرے گا؟ یہ ایک امر واقعی کا بیان ہے، لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ اسلام کا تقاضا اور اُس کی شریعت کا حکم ہے کہ مسجد میں منار اور گنبد ہونے چاہییں تو اسلام کے ہر عالم کا فرض ہے کہ وہ اِس کی تردید کرے اور لوگوں کو بتائے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ مسجد پھونس کا جھونپڑا ہو یا کسی چار دیواری کی چھت کھجور کے تنوں اور شاخوں سے پاٹ کر بنا دی جائے، اسلام اور اسلامی شریعت کو اِس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

میں نے یہی فرض ادا کیا ہے اور اپنی قوم کے اُن نوجوانوں کے لیے اسلام کے صحیح فکر کی وضاحت کر دی ہے جنھیں یہ کہہ کر دہشت گردی کی کارروائیوں کے لیے آمادہ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر عرب، ایرانی اور پاکستانی یا افغانی قومیتوں کا وجود بالکل ناجائز ہے، مسلمانوں کی قومیت اسلام اور اُن کا نظام خلافت ہے جس میں دور حاضر کی قومی ریاستوں کے لیے کوئی گنجایش پیدا نہیں کی جا سکتی، لہٰذا خدا کی زمین کو اِن کے وجود سے پاک کر دینا چاہیے۔ میں نے اُن کو بتایا ہے کہ قومی ریاست کوئی کفر نہیں ہے اور قومیت کی تمام فطری اساسات مسلمانوں کے لیے بھی اُسی طرح بنائے قومیت ہو سکتی ہیں، جس طرح دوسری قوموں کے لیے ہو سکتی ہیں۔ قرآن کی رو سے مسلمانوں کا باہمی رشتہ قومیت کا نہیں، بلکہ اخوت کا ہے۔ چنانچہ جو مسلمان وطنی قومیت کے تصور کو قبول کر کے امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس یا ہندوستان، بلکہ پاکستان میں بھی رہ رہے ہیں، وہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کر رہے۔ اسلام کے مآخذ اِس طرح کے کسی حکم سے یکسر خالی ہیں کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد بھی اسلام ہی ہے۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں اگر مسلمانوں کا اصرار تھا کہ وہ ہندوؤں کے مقابل میں الگ قوم ہیں اور اِسی بنیاد پر ہندوستان میں اپنے لیے الگ ملک کا مطالبہ کرتے ہیں تو اِس میں بھی کوئی غلطی نہیں تھی اور پاکستان بننے کے اگلے ہی دن اگر اُنھوں نے اپنے لیے پاکستانی قومیت کا اعلان کر دیا تو دین و شریعت کی رو سے اِس پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اُس کے نزدیک مولانا ابوالکلام آزاد اور قائداعظم محمد علی جناح میں سے ایک کا موقف صحیح اور دوسرے کا غلط تھا اور ہم اُس سے اتفاق یا اختلاف بھی کر سکتے ہیں، لیکن مذہبی نقطۂ نظر سے دونوں کے موقف پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد کے موقف پر قائداعظم نے بھی اِس لحاظ سے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اِس لیے کہ قائداعظم کا مقدمہ یہ نہیں تھا کہ وطن کی بنیاد پر ہندوؤں کے ساتھ ایک قوم بن کر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رہنے کو وہ اسلام اور اسلامی شریعت کی رو سے جائز نہیں سمجھتے، لہٰذا الگ ملک کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اُن کا مقدمہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی تہذیب وثقافت، معیشت، معاشرت اور مذہبی روایت کو ہندو اکثریت کے استبداد سے محفوظ رکھنے کے لیے وہ الگ ملک کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اُن کے اِس مطالبے کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمان بین الاقوامی قانون کے تمام ضوابط کے لحاظ سے ایک قوم ہیں اور ہر قوم کا یہ حق ہے کہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں وہ اپنے لیے الگ ملک کا مطالبہ کرے۔

یہ اِس مسئلے سے متعلق میرا موقف ہے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اِس پر تنقید کرے، لیکن بڑے ادب کے ساتھ گزارش کر رہا ہوں کہ جس چیز پر تنقید کی جائے، تنقید سے پہلے کچھ وقت اُس کے سمجھنے کے لیے بھی صرف کر لینا چاہیے۔

[۲۰۱۵ء]

''آدمی جب بھوکا پیاسا ہو تو قاعدہ ہے کہ اس کا غصہ بڑھ جایا کرتا ہے۔ جہاں کوئی بات ذرا بھی اس کے مزاج کے خلاف ہوئی، فوراً اس کو غصہ آجاتا ہے۔ روزے کے مقاصد میں سے یہ چیز بھی ہے کہ جن کی طبیعتوں میں غصہ زیادہ ہو، وہ روزے کے ذریعہ سے اپنی طبیعتوں کی اصلاح کریں، لیکن یہ اصلاح اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب آدمی روزے کو اپنی طبیعت کی اس خرابی کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ اگر وہ اس کو اپنی طبیعت کی اصلاح کا ذریعہ نہ بنائے تو اس بات کا بڑا اندیشہ ہے کہ روزہ اس پہلو سے اس کے لیے مفید ہونے کے بجائے الٹا مضر ہو جائے، یعنی اس کی طبیعت کا اشتعال کچھ اور زیادہ ترقی کر جائے۔ جو شخص اس کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنانا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہو یا کوئی دوسرا اس کے اندر اس اشتعال کو پیدا کرنے کی کوشش کرے تو وہ فوراً اس بات کو یاد کرے کہ 'أَنَا صَائِمٌ' (میں روزے سے ہوں)، اور یہ چیز روزے کے مقصد کے بالکل منافی ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے سے آدمی کو غصے پر قابو پانے کی تربیت ملتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ تربیت اس کے مزاج کو بالکل بدل دیتی ہے، یہاں تک کہ اس کو اپنے غصے پر اس حد تک قابو حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کو وہ وہیں استعمال کرتا ہے جہاں وہ اس کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔'' (تزکیۂ نفس، مولانا امین احسن اصلاحی ۲۴۹)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

(۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۳ نبوی کا موسم حج آیا تو حضرت مصعب بن عمیر مکہ واپس آ گئے۔ حضرت براء بن معرور کی قیادت میں بہتر مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل انصار کا ایک قافلہ بھی ان کے ساتھ مکہ پہنچا۔ حضرت براء بڑے جوشیلے تھے، راستے میں کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے آئے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب لے جانا چاہتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں: سب نے تائید کی کہ ہم کب تک آپ کو مکہ کے پہاڑوں کے بیچ ترساں و پریشاں پھرتا دیکھیں گے۔ مکہ پہنچنے کے بعد حضرت مصعب نے سب سے پہلے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کو انصار کی اسلام سے شیفتگی کے بارے میں بتایا۔ حضرت مصعب کی والدہ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو پیغام بھیجا: اے نافرمان، تو اس شہر میں آیا ہے جہاں میں ہوں۔ سب سے پہلے مجھ سے نہ ملے گا؟ انھوں نے جواب بھیجا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی سے نہ ملوں گا۔ چنانچہ آپ سے ملاقات کرنے کے بعد حضرت مصعب والدہ کے پاس گئے تو اس نے کہا: تو ابھی تک صابئ ہے۔ حضرت مصعب نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں جو اللہ نے پسند کیا ہے۔ ماں نے کہا: تجھے وہ مرثیے پسند نہیں آئے جو میں نے تیرے حبشہ اور یثرب جانے کے بعد کہے؟ اس نے روکنا چاہا تو حضرت مصعب نے کہا: تو میری اتنی خیر خواہ اور مجھ پر اتنی مہربان ہے تو شہادت دے دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ماں نے جواب دیا: روشن ستاروں (ثریا) کی قسم، میں تیرے دین میں داخل نہ ہوں گی، مبادا میری رائے کو برا اور عقل کو کمزور کہا جائے۔ میں اس دین پر

رہتی ہوں اور تو اپنے دین پر قائم رہ۔

حضرت براء اور حضرت کعب بن مالک حرم جا کر آپ سے ملے اور حج کے بعد ایام تشریق (گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ) کے درمیانے دن، یعنی بارہ تاریخ کو عقبہ کے مقام پر یثرب کے زائرین سے آپ کی ملاقات طے کی۔ حضرت کعب بیان کرتے ہیں کہ تہائی رات گزر گئی، اہل قافلہ سو گئے تو ہم تیتروں کی طرح کھسکتے ہوئے نکل آئے اور عقبہ کے پاس گھاٹی میں اکٹھے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو راستے میں عباس بن عبدالمطلب مل گئے۔ انھیں لے کر آپ بھی عقبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عباس مسلمان نہ ہوئے تھے، تاہم اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم دردی رکھتے تھے۔ عقبہ پہنچ کر سب سے پہلے انھوں ہی نے گفتگو شروع کی کہ محمد کی حفاظت ان کا خاندان کرتا ہے۔ تم ان کو لے جانا چاہتے ہو تو ان کی حفاظت بھی کرنا ہو گی، وہاں لے جا کر چھوڑنا ہے تو بہتر ہے انھیں یہیں رہنے دو۔ انصار نے جواب دیا: ہم نے آپ کی بات سمجھ لی ہے۔ یا رسول اللہ، اب آپ ارشاد فرمایئے۔ آپ کھڑے ہوئے، قرآن کی آیات تلاوت کرنے کے بعد حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بیان فرمایا۔ اسعد بن زرارہ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تلواریں تمھیں بھنبھوڑیں گی، اگر صبر کر سکتے ہو تو ساتھ دو، ورنہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ حضرت براء نے کہا: ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے، جس طرح اپنی عورتوں کی کرتے ہیں۔ ابوالہیثم بن تیہان بولے: آپ بھی وعدہ کریں، ہمیں چھوڑ کر واپس نہیں آئیں گے۔ آپ نے فرمایا: میرا جینا اور مرنا تمھارے ساتھ ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے پوچھا: ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: جنت اور اللہ کی رضا۔ حضرت عبداللہ نے کہا: بس سودا ہو چکا۔ پھر سب نے سمع و طاعت اور نصرت و حمایت کی بیعت کی، آپ نے خزرج کے نو اور اوس کے تین نقیبوں کا تقرر بھی کیا۔ اسے بیعت عقبۂ ثانیہ کہتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

انصار کے بیعت کر لینے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا عمومی مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: اللہ نے تمھارے بھائی بند بنا دیے ہیں اور ایسا شہر دے دیا ہے جہاں تم اطمینان سے رہ سکتے ہو۔ حضرت مصعب بن عمیر نے ذی الحجہ، محرم اور صفر کے ایام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں گزارے اور ربیع الاول کی ابتدا میں مدینہ لوٹ گئے، جبکہ آپ ۱۲/ ربیع الاول کو شہر ہجرت پہنچے۔ حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور (ان کے بعد) حضرت عمرو بن ام مکتوم ہمارے پاس مدینہ آئے۔ یہ دونوں انصار کو قرآن سکھاتے تھے۔ ان کے بعد حضرت بلال، حضرت سعد اور حضرت عمار بن یاسر نے شہر نبی کو ہجرت کی۔ پھر سیدنا عمر بیس صحابہ کے جلو میں وارد ہوئے (بخاری، رقم ۳۹۲۵۔ احمد، رقم ۱۸۴۲۱)۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت مصعب

سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا: آپ اپنے گھر میں ہیں، البتہ آپ کے صحابہ پیچھے آ رہے ہیں (احمد، رقم ۳)۔

مدینہ تشریف آوری کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں مواخات قائم فرمائی۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی خوشنودی کے لیے بھائی بھائی بن جاؤ۔ اس موقع پر آپ نے حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری کو حضرت مصعب بن عمیر کا انصاری بھائی اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو مہاجر بھائی قرار دیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت مصعب کی مواخات حضرت ذکوان بن عبد قیس سے ہوئی۔

۲ھ: غزوۂ بدر میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو سفید اور بڑا علم عطا کیا۔ اس غزوہ میں دو سیاہ پرچم بھی تھے، عقاب نامی پرچم سیدنا علی کے ہاتھ میں تھا، دوسرا سیاہ علم انصاری صحابی حضرت سعد بن معاذ (عبادہ) نے تھام رکھا تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سفید پرچم پہلے سیدنا علی کے پاس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ مشرکین کے تینوں جھنڈے حجابہ ولواء کے ذمہ دار قبیلے بنو عبد الدار کے افراد ابوعزیز بن عمیر، طلحہ بن ابوطلحہ اور نضر بن حارث نے اٹھائے ہوئے ہیں تو فرمایا: ہم عبد الدار سے وفا کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ چنانچہ جیش اسلامی کا علم عبد الدار کے سکڑ پوتے حضرت مصعب بن عمیر کو تھما دیا۔ جنگ میں شامل دو گھوڑوں میں سے ایک حضرت مصعب کے پاس اور دوسرا حضرت زبیر بن عوام کے پاس تھا۔ حضرت سعد بن خیثمہ اور حضرت مقداد بن اسود بھی باری باری ان گھوڑوں پر سوار ہوتے رہے۔ ایک روایت میں حضرت علی سے منقول ہے: جنگ بدر میں مقداد اکیلے شاہ سوار تھے، ان کے علاوہ کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا (نسائی، رقم ۸۲۳۔ احمد، رقم ۱۳۸، ۱۰۲۳)۔ سیدنا علی ہی سے مروی دوسری روایت ہے کہ (قریش کے سو گھوڑوں کا مقابلہ کرنے کے لیے) ہماری فوج میں دو ہی گھوڑے تھے، زبیر کا اور مقداد بن اسود کا (دلائل النبوہ، بیہقی ۳/ ۳۹)۔ حضرت مقداد میسرہ پر متعین تھے، ان کا گھوڑا چتکبرا تھا، اس کا نام سبحہ (لمبی سیر) یا بعزجہ تھا۔ حضرت زبیر کے پاس اسلامی فوج کے میمنہ کی کمان تھی، ان کے گھوڑے کا نام یعسوب (شہد کی مکھیوں کا سردار، گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی) تھا۔ حضرت سعد بن خیثمہ اور حضرت مصعب بن عمیر بھی باری باری انھی دو گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑتے رہے (دلائل النبوہ، بیہقی ۳/ ۱۱۰)۔ تیسری روایت بیان کرتی ہے کہ اس معرکۂ فرقان میں دو گھوڑوں نے حصہ لیا: ایک مقداد بن اسود کا سبحہ، دوسرا اسبل نامی جو مرثد بن ابو مرثد کے پاس تھا (ابن سعد)۔

معرکۂ فرقان میں عظیم الشان فتح کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قید میں آنے والے مشرکوں کو صحابہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں بانٹ دیا اور فرمایا: ان سے اچھا سلوک کرنا۔ حضرت مصعب کے سگے بھائی ابوعزیز (زرارہ) بن عمیر نے مشرکین قریش کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا تھا، نضر بن حارث کے جہنم رسید ہونے کے بعد اسی نے مشرکین کا پرچم تھاما۔ اختتام جنگ پر وہ ایک انصاری حضرت ابو یسر کے حصے میں آیا۔ انصاری اسے رسی سے باندھ رہے تھے کہ حضرت مصعب وہاں سے گزرے اور کہا: اس کے ہاتھ خوب باندھ لو، اس کی ماں دھن دولت والی ہے، شاید فدیہ دے کر چھڑا لے۔ ابوعزیز نے کہا: بھائی جان، کیا میرے بارے میں یہی ہے تمھاری وصیت؟ حضرت مصعب نے جواب دیا: تم نہیں، یہ انصاری میرا بھائی ہے۔ حضرت مصعب اور ابوعزیز (ابوعزہ) کی والدہ خناس بنت مالک نے جو قریش کے لشکر میں شامل تھی کسی قریشی کے زیادہ سے زیادہ دیے جانے والے فدیہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اسے چار ہزار درہم بتائے گئے تو اتنی ہی رقم ادا کر کے ابوعزیز (زرارہ) کو چھڑا لیا۔ زرارہ کا بعد میں مسلمان ہونا یقینی نہیں۔

۳/ شوال ۳ھ (۱۹/ مارچ ۶۲۵ء) میں جنگ احد ہوئی۔ جنگ کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: مشرکوں کا پرچم کس نے اٹھایا ہوا ہے؟ آپ کو بتایا گیا: بنوعبدالدار نے۔ فرمایا: ہم ان سے زیادہ حق وفا رکھتے ہیں۔ کہاں ہیں مصعب بن عمیر؟ وہ بولے: میں ادھر ہوں۔ آپ نے فرمایا: لو یہ علم۔ انصار کا پرچم آپ نے منذر بن حباب کو عطا کیا۔ جنگ شروع ہوئی تو سعد بن ابوطلحہ قریش کا جھنڈا لے کر بڑھا۔ اسے حضرت سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا، پھر یکے بعد دیگرے مشرکوں کے پانچ رایت بردار مسلمانوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے تو پرچم حضرت مصعب بن عمیر کے چچا زاد ارطاۃ بن شرحبیل نے تھام لیا۔ حضرت مصعب ہی نے (دوسری روایت: حمزہ) آگے بڑھ کر ارطاۃ کو انجام تک پہنچایا۔ حضرت مصعب نے اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب دفاع کیا۔ ایک بار فتح حاصل کر لینے کے بعد مسلم فوج کفار کے اچانک حملے سے منتشر ہوئی تو گھوڑے پر سوار ابن قمئہ لیثی نعرہ مارتے ہوئے بڑھا اور کہا: مجھے محمد کا پتا بتاؤ، اگر وہ بچ گئے تو میں نہ بچ پاؤں گا۔ حضرت مصعب نے جو علم مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، اس کا راستہ روکا۔ اس نے آپ کے شبہ میں ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں لے لیا اور 'وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ'، ''محمد تو بس اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں'' (آل عمرٰن ۳: ۱۴۴) تلاوت کرنے لگے۔ اس نے بایاں ہاتھ کاٹا تو حضرت مصعب نے علم بازوؤں میں لے کر سینے سے چمٹا لیا۔ بدبخت ابن قمئہ نے تیر سے تیسرا وار کیا تو حضرت مصعب گر پڑے۔ بنوعبدالدار کے دو افراد سویبط بن سعد اور حضرت مصعب کے بھائی ابوالروم پرچم اٹھانے کو لپکے اور ابوالروم بن عمیر نے اسے اٹھا لیا۔ بنو مازن کی ام عمارہ (نسیبہ) بنت کعب بھی جو غازیان دین کی سقائی کر رہی تھیں،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس موقع پر آپ کے دفاع میں شریک ہوگئیں۔ ابن قمئہ کے وار سے ان کے کاندھے پر گہرا گھاؤ آیا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر اس پر کئی جوابی وار کیے، لیکن وہ دشمن خدا دو زرہیں پہنے ہوئے تھا، اس لیے بچ گیا۔ حضرت مصعب کو شہید کرنے کے بعد ابن قمئہ اپنے لشکر میں لوٹا اور مشہور کر دیا کہ میں نے محمد کو (معاذ اللہ) قتل کر دیا ہے۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت مصعب کو ابی بن خلف نے شہید کیا۔ ابی نے مکہ میں آپ کو (معاذ اللہ) قتل کرنے کی قسم کھائی تھی۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ان شاء اللہ میں ہی اسے جہنم تک پہنچاؤں گا۔ غزوۂ احد کے دن اس نے زرہ پہن کر، ہتھیاروں سے لیس ہو کر ''میں نہیں بچوں گا اگر محمد بچ گئے'' کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو حضرت مصعب نے اسے روکا اور آپ کے گرد لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر سے پاؤں تک لوہے میں ملبوس ابی کی ہنسلی نظر آئی تو تاک کر اس کی زرہ کے کڑے اور خود کے درمیان نیزہ مارا۔ اسے معمولی زخم آیا جس سے خون بھی نہ نکلا، لیکن وہ درد سے بیل کی طرح ڈکارنے لگا اور تاب نہ لاتے ہوئے جہنم واصل ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت مصعب کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم سیدنا علی کو تھما دیا۔ تیسری روایت ہے کہ علم ایک فرشتے نے ہاتھ میں لے لیا جس نے حضرت مصعب کی ہیئت اختیار کی ہوئی تھی۔ اختتام جنگ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پکارے: مصعب، آگے بڑھو تو اس فرشتے نے آپ کی طرف منہ موڑ کر کہا: میں مصعب نہیں ہوں۔ آپ پہچان گئے کہ یہ تائید غیبی سے آنے والا فرشتہ ہے۔ حضرت مصعب کی والدہ خناس بنت مالک نے جنگ احد میں بھی مشرکوں کی طرف سے حصہ لیا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جنگ احد میں چار مہاجرین اور پینسٹھ انصار شہید ہوئے۔ عروہ نے شہدا کی کل تعداد سینتالیس بتائی ہے۔ بائیس مشرک جہنم واصل ہوئے۔ اختتام غزوہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب کا لاشہ میدان جنگ میں پڑا دیکھا تو ان کے حق میں دعا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: 'مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا'، ''اہل ایمان میں کتنے ہی ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے وہ عہد سچ کر دکھایا جو اللہ سے باندھ رکھا تھا، ان میں سے کچھ اپنا عہد نبھا چکے اور کچھ اس حال میں منتظر ہیں کہ وہ ذرا نہیں بدلے'' (الاحزاب ۳۳: ۲۳۔ مستدرک حاکم، رقم ۴۹۰۵)۔ پھر فرمایا: اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم روز قیامت اللہ کے ہاں شہدا شمار ہو گے۔ شہداے احد کی تدفین کا مرحلہ آیا تو سید الشہدا حضرت حمزہ کی میت کپڑے میں لپیٹ کر لائی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات تکبیریں کہہ کر ان کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر باقی شہدا کی میتیں لا کر ان کے پہلو میں رکھی گئیں اور آپ نے باری باری سب کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دو دو شہیدوں کو ایک ایک

کفن پہنایا گیا۔حضرت مصعب بن عمیر کے پاس ایک ہی دھاری دار چادر تھی جسے کفن بنایا گیا،اسے سر پر رکھتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے، پاؤں پر ڈالتے تو سر باہر نکل آتا آخر کار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے پاؤں پر تھوڑی سی اذخر گھاس رکھ دو (ابوداؤد، رقم ۲۸۷۶)۔حضرت مصعب کے بھائی حضرت ابوالروم، حضرت سویبط بن سعد اور حضرت عامر بن ربیعہ نے حضرت مصعب کو قبر میں اتارا۔آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداے احد کی قبروں پر اکثر جایا کرتے تھے۔گھاٹی کے کنارے پر آکر فرماتے: تم نے صبر کیا، تم پر سلامتی ہو۔تمھارا آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے۔آپ نے تلقین کی کہ لوگو، یہ شہدا اللہ کے ہاں زندہ ہیں، ان کی زیارت کر کے انھیں سلام کیا کرو۔اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، قیامت تک جو مسلمان ان کے حضور سلام پہنچائے گا، یہ اسے جواب دیں گے۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور دوسرے صحابہ بھی شہدا کو سلام کرنے آتے رہے۔

غزوۂ احد سے فارغ ہونے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو حضرت مصعب کی اہلیہ حضرت حمنہ بنت جحش (دوسری عورتوں کے ساتھ) آپ کے استقبال کے لیے آئیں۔جنگ سے لوٹنے والے اصحاب نے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش کی شہادت کی خبر سنائی تو انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور دعاے مغفرت کی۔ ان کے ماموں حضرت حمزہ کی شہادت کے بارے میں بتایا گیا تو بھی انھوں نے انا للہ کہہ کر مغفرت کی دعا مانگی اور جب انھیں اپنے شوہر حضرت مصعب بن عمیر کے شہید ہونے کا پتا چلا تو وہ چلائیں اور آہ و بکا کی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بھائی اور ماموں کی وفات کی خبر سن کر انھوں نے صبر کا مظاہرہ کیا، لیکن خاوند کی شہادت کا سن کر گریہ کیا تو فرمایا: عورت کے نزدیک اس کے شوہر کا ایک مقام ہوتا ہے (ابن ماجہ، رقم ۱۵۹۰)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت مصعب بن عمیر نرم جلد والے، خوب صورت تھے، موزوں قد وقامت کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے تھے۔ان کے والدین خوش حال اور متمول تھے۔چنانچہ وہ عمدہ لباس زیب تن کرتے، بڑے بال رکھتے، خوشبو سے معطر رہتے اور حضرموت کے بنے ہوئے نوک دار (حضرمی) جوتے پہنتے۔اسلام لانے کے بعد حضرت مصعب کا ناز ونعم مفلوک الحالی میں بدل گیا، ان کی جلد سوکھ کر پھٹ گئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زمانۂ خوش حالی کو یاد کر کے فرماتے: میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر سے زیادہ عمدہ زلفوں والا، اعلیٰ لباس پہننے والا اور زیادہ خوش حال کسی کو نہیں دیکھا (مستدرک حاکم، رقم ۴۹۰۴)۔سیدنا علی فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ حضرت مصعب بن عمیر آئے، ان کے جسم پر ایک چادر کے علاوہ کوئی کپڑا نہ تھا جس پر پوستین کے پیوند لگے ہوئے تھے۔آپ انھیں دیکھ کر رو پڑے، کیونکہ وہ ناز ونعم میں پلے ہوئے تھے اور آج کس

حال میں تھے۔ پھر سوال فرمایا: ''وہ دن کیسے ہوں گے جب تم میں سے کوئی صبح کو ایک جوڑا پہنے ہوگا، شام کو دوسرا لباس زیب تن کر لے گا۔ اس کے سامنے کھانے کی ایک رکابی رکھی جائے گی اور دوسری اٹھالی جائے گی۔ تم گھروں میں اس طرح چھپ کر بیٹھو گے، جس طرح کعبہ پردے میں لپٹا ہوتا ہے؟'' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ، ہم تب بہتر حال میں ہوں گے، عبادت کے لیے فارغ ہوں گے اور روزی کی فکر نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا: نہیں، تم (دینی اعتبار سے) اس دن سے آج بہتر ہو (ترمذی، رقم ۲۴۷۶)۔ دوسری روایت جو حضرت زبیر بن عوام سے مروی ہے، مختلف متن رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں کچھ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر آ کر کھڑے ہوئے، ان کی چادر ان کا جسم چھپانے سے کوتاہ دکھائی دے رہی تھی۔ صحابہ نے یہ دیکھ کر سر جھکا لیے۔ حضرت مصعب نے سلام کیا تو سب نے جواب دیا۔ تب آپ نے حضرت مصعب کی تعریف کی اور فرمایا: ''میں نے اسے مکہ میں والدین کے پاس دیکھا ہے، انھوں نے اسے بہت نازوں سے، نعمتوں میں رکھا ہوا تھا۔ قریش کا کوئی نوجوان اس جیسا آسودہ حال نہ تھا، پھر اللہ کی رضاجوئی میں، اس کے رسول کی نصرت کرنے کے لیے اس نے یہ آسودگی ختم کر ڈالی۔ سن لو، تم پر بھی حالات بدل بدل کر آئیں گے، حتیٰ کہ جب ایران و روم فتح ہو جائیں گے، تمھی میں سے کوئی ہوگا جو صبح کو ایک جوڑا پہنے ہوگا، شام کو دوسرا لباس زیب تن کر لے گا، صبح اسے ایک طرح کے کھانے کی رکابی پیش کی جائے گی، شام کے وقت دوسرے طعام کی صحنک دی جائے گی۔'' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ، ہم آج بہتر حال میں ہیں یا اس روز ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تم اس دن سے آج کہیں بہتر ہو۔ سیدنا علی سے ایک اور روایت مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے پہلے ہر نبی کو سات معزز رفقا دیے گئے تھے، جبکہ مجھے چودہ رفقا (یا نقیبوں) کی معیت حاصل ہے۔ سیدنا علی کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: میں (علی)، میرے دونوں بیٹے (سیدنا حسن و حسین)، حضرت جعفر، حضرت حمزہ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت بلال، حضرت سلمان، حضرت مقداد، حضرت ابوذر، حضرت عمار، اور حضرت عبداللہ بن مسعود (ترمذی، رقم ۳۷۸۵)۔ احمد کی روایت ۱۲۶۲ میں حضرت مصعب کے بجاے حضرت حذیفہ کا ذکر ہے۔ حضرت مصعب کی عمر چالیس برس ہوئی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف روزہ سے تھے۔ وقت افطار کھانا لایا گیا تو کہا: حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کر دیا گیا، حالاں کہ وہ مجھ سے بہتر تھے۔ انھیں ایک چادر کا کفن پہنایا گیا، سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانک دیے جاتے تو سر باہر نکل آتا۔ سیدنا حمزہ کو جام شہادت پلایا گیا، وہ بھی مجھ سے اچھے تھے۔ اب ہمیں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دنیا میں خوب کشادگی دے دی گئی ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری نیکیاں جلد چکا دی گئی ہیں۔ پھر وہ رونے لگے اور روتے روتے کھانا چھوڑ دیا (بخاری، رقم ۱۲۷۵)۔ خباب بن ارت فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، اللہ کی خوشنودی ہی ہمارا مقصد تھا، اس لیے ہمارا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہو گیا۔ پھر ہم میں سے وہ ہوئے جو کوئی صلہ پائے بغیر گزر گئے، جیسے حضرت مصعب بن عمیر، احد کے دن شہید ہوئے۔ انھیں کفن دینے کے لیے ہمیں ایک ہی دھاری دار چادر ملی۔ اس سے ان کا سر ڈھانکتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں پر ڈالتے تو سر باہر نکل آتا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ان کا سر ڈھانپ دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس رکھ دیں۔ ہم میں سے وہ لوگ بھی تھے جن کے ثمرات پختہ ہو گئے اور وہ اب ان سے محظوظ ہو رہے ہیں (بخاری، رقم ۳۹۱۴۔ مسلم، رقم ۲۱۳۳)۔

حضرت مصعب بن عمیر کی اولاد نرینہ نہ ہوئی۔ حضرت حمنہ بنت جحش سے ان کی ایک ہی بیٹی زینب پیدا ہوئیں جو عبداللہ بن عبداللہ سے بیاہی گئیں۔ حضرت مصعب کی نواسی کا نام قریبہ تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء (ابونعیم اصفہانی)، دلائل النبوۃ (بیہقی)، جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر (ابن خلدون)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، سیرۃ النبی (شبلی نعمانی)، تاریخ اسلام (اکبر شاہ نجیب آبادی)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (مقالہ: Fr.Buhl)، سیرت سرور عالم (ابوالاعلیٰ مودودی)، مصعب الخیر (ریاض حسین شاہ)، Wikipedia۔

"...آدمی خاموشی کو روزے کا ادب سمجھے اور کوشش کرے کہ کم سے کم اناپ شناپ کہنے اور جھوٹی سچی اڑانے کے معاملے میں تو اُس کی زبان پر تالا لگا رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص جھوٹ بولنا اور اُس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اِس کی کچھ ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔" (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۲)

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

O

واے افرنگ کہ آزردہ بھی، چالاک بھی ہے
آپ صیاد بھی ہے، بستۂ فتراک بھی ہے
فلسفہ میرے زمانے میں اگر ہے بھی تو کیا
غمِ ہستی کا فسانہ کہ طربناک بھی ہے!
سالک راہ کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے
فتنۂ علم و نظر نشۂ ادراک بھی ہے
یاد آ جائے تو دل سوے وطن کھنچتا ہے
اے خوشا یاد کہ یہ خاک مری خاک بھی ہے!
اِس کو دیکھیں تو کہیں اور نہ جانے دے گا
حسن فطرت کہ طرح دار بھی، بے باک بھی ہے
اور کیا چاہیے رندوں کی ضیافت کے لیے
حسن خود ساغر و مینا بھی، مے تاک بھی ہے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اک ذرا صبر کہ ہم آپ ہی اٹھ جائیں گے
کوچۂ دوست میں آخر خس و خاشاک بھی ہے

''روزے کی عبادت ...اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ آدمی اپنی خواہشوں پر قابو پا سکے۔ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب آدمی اس مقصد کو روزوں میں ملحوظ رکھے اور ان رغبتوں کو حتی الامکان دبائے جن کے آگے اپنی روزمرہ زندگی میں وہ اکثر بے بس ہو جایا کرتا ہے اور یہ بے بسی اس کو بہت سی اخلاقی اور شرعی کمزوریوں میں مبتلا کر دیتی ہے، لیکن بہت سے لوگ اس مقصد کو بالکل ملحوظ نہیں رکھتے، ان کے نزدیک روزے کا مہینا خاص کھانے پینے کا مہینا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس مہینے میں کھانے پینے پر جتنا بھی خرچ کیا جائے، خدا کے ہاں اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ اس خیال کے لوگ اگر ــــ خوش قسمتی سے ــــ کچھ خوش حال بھی ہوتے ہیں تو پھر تو فی الواقع ان کے لیے روزوں کا مہینا کام و دہن کی لذتوں سے متمتع ہونے کا موسم بہار ہی بن کے آتا ہے۔ وہ روزے کی پیدا کی ہوئی بھوک اور پیاس کو نفس کشی کے بجائے نفس پروری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ وہ صبح سے لے کر شام تک طرح طرح کے پکوانوں کے پروگرام بنانے اور ان کے تیار کرانے میں اپنے وقت صرف کرتے ہیں اور افطار سے لے کر سحر تک اپنی زبان اور اپنے پیٹ کی تواضع میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ میں ایک ایسے بزرگ سے واقف ہوں جو ایک دین دار آدمی تھے، لیکن ان کا نظریہ یہ تھا کہ رمضان کا مہینا کھانے پینے کا خاص مہینا ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کے تحت وہ رمضان کے مہینے کے لیے کھانے پینے کی مختلف چیزوں کا اہتمام بہت پہلے سے شروع کر دیتے تا کہ رمضان میں ان کی تنوعات سے متمتع ہو سکیں۔'' (تزکیۂ نفس، مولانا امین احسن اصلاحی ۲۴۸)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org